بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احیائے تصوف کا علمبردار اور اتحاد بین المسلمین کا نقیب

شمارہ نمبر: 130	مارچ 2019ء	ہدیہ: 50 روپے

بانی ایڈیٹر: حضرت ابوالعرفان علامہ محمد بشیر براہ والے (مرحوم)

ایڈیٹر: ظفر علی آخوند

نائب ایڈیٹر: حبیب اللہ جان مدنی

اہتمام: نوزنگیہ یوتھ فیڈریشن (NYF) پاکستان

کمپوزکاری: تصوف نیشنل لائبریری علی پورا اسلام آباد

پوسٹل ایڈریس: A-358 سیکٹر G-6/1 اسلام آباد پاکستان

ای میل ایڈریس: nawaesufia_intl@yahoo.com,

info@nawaisufia.com

ویب سائٹ: www.nawaisufia.com

اکاؤنٹ نمبر: 010-1773-8، UBL سیکرٹریٹ برانچ اسلام آباد

ایڈیٹر اینڈ پبلشر ظفر علی نے اقرا گرافک پرنٹرز، آئی نائن فور، اسلام آباد سے چھپوا کر دفتر نوائے صوفیہ A-358، G-6/1-1، اسلام آباد سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احیائے تصوف کا علمبردار اور اتحاد بین المسلمین کا نقیب

فہرست مضامین

اداریہ

تفکر و تذکر

مدیر نوائے صوفیہ انٹرنیشنل

محترم قارئین نوائے صوفیہ!

ماہنامہ نوائے صوفیہ انٹرنیشنل ۱۹۷۴ء میں اسلام آباد سے جاری ہوا تھا جس کا آخری شمارہ اپریل ۲۰۱۸ء میں شائع ہوا۔ پھر اپنوں کی کرم نوازی تلے دبتا چلا گیا اور تقریباً ایک سال سے اس کا کوئی شمارہ شائع نہیں ہوا۔ ہمدردان مسلک نے اس کے احیا اور دوبارہ اشاعت کے لیے سوچنے کی بجائے چپ سادھ لی۔ ایسی صورت حال میں کسی نے اس کے وفات پانے کی اطلاع دی، کسی نے تدفین، کسی نے قل ۔۔۔ یوں سوشل میڈیا پر مذاق مذاق میں یہ شاندار ماضی کی حامل محسن ملت صوفیہ نوربخشیہ جریدہ ہی نہیں بلکہ تابناک ماضی کی حامل مسلک "سلسلۃ الذہب" بھی جگ ہنسائی کا نشانہ بنا جس نے جہاں میں خواہان ملت کا دل زخمی، جان ہلکان اور روح مضمحل کر دیا وہاں بدخواہوں کو شاداں و مسرور اور مطمئن۔

ایسی حالت میں چند نوجوانان محبین ملت کی رگ حمیت پھڑکی اور اس عظیم الشان جریدے کے دوبارہ اجراء کا فیصلہ کیا۔ یوں یہ جریدہ آپ کے مبارک ہاتھوں کی زینت بن رہا ہے۔

علامہ محمد بشیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور میں اس جریدے کے لئے جو خطوط وضع کئے تھے، نئی انتظامیہ انہی کے مطابق چلانے کی کوشش کرے گی۔ البتہ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ مجموعہ شریعت محمدیہؐ کے عنوان سے فقہ الاحوط کی مختصر تشریح کے ساتھ ساتھ تفسیر نجم القرآن سے منتخب حصہ ہر شمارے میں شامل ہوا کرے گا۔ عالمی سطح پر مسلک صوفیہ نوربخشیہ اور مشائخ سلسلۃ الذہب کے بارے میں جو تحقیقی مقالاجات شائع ہوتے ہیں، بدقسمتی سے پیروکاران مسلک ان سے ناواقف رہتے ہیں، اب ہر شمارے میں کسی ایک مقالے کا ترجمہ یا تلخیص شامل اشاعت ہوا کرے گی۔ ماضی میں نوائے صوفیہ انٹرنیشنل میں شاندار مضامین شائع ہوتے رہے ہیں جنہوں نے افراد ملت میں دینی امنگ اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ایسے مضامین نشر مکرر کے عنوان سے شائع کیے جائیں گے۔ آپ کے دینی و دنیوی مسائل کے حل کے ساتھ ساتھ آپ کے روحانی مسائل اور تعبیر خواب (جن کی مسلک صوفیہ نوربخشیہ میں بہت بڑی اہمیت ہے) پر بھی آپ کو کچھ نہ کچھ پڑھنے کو مل جایا کرے گا۔

علماء اور دانشوران نوربخشیہ سے گزارش ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو بے پناہ صلاحیتوں اور استعدادوں سے نوازا ہے جن میں تحریری صلاحیت بھی شامل ہے لیکن انسان اپنی سستی، بے حسی اور احساس کمتری کی وجہ سے یہ صلاحیت دبی ہی نہیں بلکہ غیر محسوس طریقے سے مسلسل ضائع بھی ہو رہی ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ اپنی صلاحیتوں کو نہ صرف ضائع ہونے سے بچائیں بلکہ بزرگان مسلک کے کتب و رسائل کے تراجم، ذاتی تحقیقی مقالات، مضامین کی تحریر کے ذریعے اسے فروغ دیں۔ نوائے صوفیہ انٹرنیشنل مسلک صوفیہ نوربخشیہ کی واحد اشاعتی کوشش ہے اس کے ساتھ قلمی تعاون کیجیے اور اپنے نگارشات بھیج کر اس کی سرپرستی فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

قرآنیات

تفسیر نجم القرآن

حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ
ترجمہ: مفتی علی محمد ھادی

نہج خطاب:

اے طور پر ظہور پانے والے نور، علم کتاب مسطور، حکمت رقِ منشور، حقیقت بیت المعمور، سقف مرفوع پر جلوہ افروزی حق مشکور اور رازِ باطلِ بحر مسجور کے طالب! تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ہی وجود میں یہ لطائف ودیعت کر رکھے ہیں تا کہ تُو ان کے اسرار کو جان لے، تجھے قبر میں خوشی وراحت ملے اور حشر ونشر کے بعد ان حور وغلمان کی صحبت کی نعمت ملے جو جنت میں معرفت کی مسہریوں پر ٹیک لگائے ہوں گے۔

طور کیا ہے؟

تو یقین کر کہ عالم انفس میں تیرا بدن قالبی ہی طور ہے، تیرا سِرّ ہی کتاب مسطور ہے، تیرا دل ہی رقِ منشور ہے، تیری روح ہی بیت المعمور ہے، تیرا لطیفۂ خفی ہی سقفِ مرفوع ہے اور تیرا نفس ہی بحر مسجور ہے۔ حق تعالیٰ عالم آفاق کی موجودات خارجیہ کی قسم کھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالطُّوْرِ (١) وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ (٢) فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ (٣) وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ (٤) وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ (٥) وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ (٦)

ترجمہ: قسم ہے طور کی، کھلے ورق میں لکھی ہوئی کتاب کی، فرشتوں کی تسبیح سے آباد گھر کی، اونچی اٹھائی گئی چھت کی اور جوش دیے ہوئے سمندر کی۔

تفسیر بطن: خارجی دنیا عالم انفس کی ملک ہے جیسے عالم آفاق حق تعالیٰ کی صفت ظاہریت کا مظہر ہے ایسے ہی عالم انفس حق تعالیٰ کی صفت باطنیت کا مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ غیب وشہادت دونوں کا جاننے والا ہے اور اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی ظاہریت اور باطنیت کے مظاہر کی قسم کھائے۔ جس طرح خارجی دنیا کے طور کا تیرے ساتھ کوئی تعلق نہیں اسی طرح تیرے بدن خاکی سے باہر کی ہر چیز کا ایک الگ جہاں ہے۔ ان کے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کی دوری ہے، لہٰذا کسی ایسے طور کا تعین کر جو عالم آفاق سے نکلنے کے بعد بھی تیرے ساتھ ساتھ رہے۔ وہ تیرے بدن قالبی کا ہی طور ہے جو حشر ونشر کے بعد بھی یا تو جنت کے نعمت کدے میں مزے اڑاتے ہوئے، یا دوزخ کے عقوبت خانے میں سزا بھگتتے ہوئے تیرے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔

تو آج کوشش کر کہ تیرا یہ قالبی طور نورانی ہو، ظلمانی نہ ہو، تا کہ برزخ کی زندگی میں تیری قبر روشن ہو، تاریک نہ ہو۔ اگر آج تیرا طور درخشاں اور تاباں نہ ہوا اور شہوت، غضب اور تکبر کی آگ سے جوش مارتے ہوئے نفسانی خواہشات کے سمندر میں

ذکر کے پانی، ریاضت کی برف اور اخلاقِ حمیدہ کے اولوں سے ٹھہراؤ نہ آئے تو یقین کر کہ:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ (۷)

ترجمہ: بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے۔

تفسیر بطن: ہر لطیفہ کا اپنا مخصوص عذاب ہے، جو دوسرے لطیفے کا نہیں اور سخت ترین عذاب ذلتِ حجاب کا عذاب ہے، جس کے واقع ہونے کے بعد کوئی ہٹانے والا نہیں۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

مَا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ (۸) يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا (۹) وَّ تَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا (۱۰)

ترجمہ: اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ جس دن آسمان لرز کر پھٹ پڑے اور پہاڑ تیز تیز چلنے لگیں۔

تفسیر بطن: اس عذابِ حجاب کے ہٹانے کا سالک کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوگا، خصوصاً اس دن جب سالک روح قبض کرنے والی قوتِ قاہرہ کا مشاہدہ کرے گا جو عزرائیل سے عبارت ہے۔ یہ اس کی روحانی قوتوں کو جو کہ اس کی رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہیں، قبض کرے گا اور لطیفۂ حیاتیہ کو جو کہ صفاتِ روحانیہ کی خصوصیات میں سے ہے، اس کے وجود کے ذرات سے کھینچ لے گا۔

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (۱۱) الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ (۱۲)

ترجمہ: پس تباہی ہے جھٹلانے والوں کے لیے، جو اپنے خیالوں میں کھیل رہے ہیں۔

تفسیر بطن: یعنی وہ آلائشِ دنیا کے گہرے سمندر کی پہنائیوں میں غوطے کھا رہے ہیں اور اس کے باطل بلبلوں اور متاعِ قلیل سے کھیل رہے ہیں۔ چونکہ وہ فنا ہونے والی دنیا اور اس کے اسبابِ غرور میں مشغول ہیں اور باقی رہنے والی آخرت جو کہ دار السرور ہے، سے غافل ہیں اس لیے وہ ان لطائف (انبیاء) کو جھٹلا رہے ہیں جو آلائش سے پاک ہیں، انوار سے آراستہ ہیں، اور ان کو خوش خبری اور ڈراوے سے لیس کر کے ان کی جانب بھیجا ہے۔

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا (۱۳) هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ (۱۴)

ترجمہ: اس دن انہیں دھکے دے دے کر دوزخ کی جانب دھکیلا جائے گا۔ (اور ان سے کہا جائے گا کہ) یہ وہ آگ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

تفسیر بطن: یعنی تم اپنی طرف بھیجے گئے ان لطائف کو جھٹلاتے ہو جو تمہیں حق کی جانب بلاتے ہیں، پس تمہیں اسی آگ میں جھونک دیا جائے گا جو تمہارے اندر موجود تھی، اسے تم نے ہی بھڑکایا ہے اور اپنے حسد، کینہ، تکبر، غصہ اور بغض و عداوت سے سلگایا ہے اور اس کے لیے درہم و دینار، مال و جائیداد اور مویشیوں جیسے اسبابِ دنیوی کا ایندھن اکٹھا کیا ہے۔ پس اس سارے ایندھن سے تیار کی ہوئی آگ سے تمہاری پیشانیوں اور پہلوؤں کو داغا جائے گا۔

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ (۱۴)

ترجمہ: اب بھلا کیا جادو ہے؟

تفسیر بطن: یعنی جس آگ کی طرف جہنم کے داروغے تمہیں سختی سے دھکیلے دیتے ہیں اور تم سے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ وہ آگ ہے جس کو تم دنیا میں آنکھوں سے اوجھل ہونے کی وجہ سے جھٹلایا کرتے تھے، حق کا ڈر سنانے والے لطائف کا بھرپور انکار کیا کرتے تھے اور دعوتِ حق کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اب آج

تمہاری آنکھ سے پردہ اٹھا دینے کی وجہ سے تم اسے کھل کر دیکھ رہے ہو اور اسے جادو سمجھ رہے ہو جس کی کوئی حقیقت نہیں یا یہ کہ تمہاری آنکھوں پر جادو کا اثر ہوا ہے۔

اَمْ اَنْتُمْ لاَ تُبْصِرُوْنَ (۱۵) اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لاَ تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱۶)

ترجمہ: یا تم واقعی دیکھ نہیں رہے ہو۔ اس میں داخل ہو جاؤ۔ پس تم صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے۔ بے شک تمہیں اسی کی جزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے۔

تفسیر باطن: یعنی تم اس آگ میں داخل ہو جاؤ جسے تم نے جلایا ہے اور اسے ایندھن ڈال ڈال کر بھڑکایا ہے۔ ''فَاصْبِرُوْا'' کا امر طنز و استہزاء کے طور پر ہے اور ''اَوْ لاَ تَصْبِرُوْا'' ایسا کلام ہے جو عموماً مجرمین کی حالت سے بے اعتنائی برتنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ تم اس پر صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے کیونکہ اس آگ سے تمہارا نکلنا جسے تم نے دنیا میں جلایا ہے، محال ہے۔ یہی تمہارے عمل کی جزا ہے، جس کے تحت تم نے ایندھن اکٹھا کیا، آگ جلانے کی جدوجہد کی اور ہوس کی ہوا دے دے کر اسے خوب بھڑکایا۔

اہل تقویٰ کا ٹھکانا:

بے شک تقویٰ جو اسباب دنیا سے دُور رہے اور ہر اس شے سے جس کو حق تعالیٰ نے ان چیزوں میں شمار کیا ہے جنہیں شیطان نے انسان کے آگے خوب سجا کر پیش کیا ہے، بچے رہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

زيّن لنّاس حبّ الشّهوات من النّساء والبنين و القناطير المقنطرة من الذهب والفضة والخيل المسوّمة والانعام والحرث ط ذالك متاع الحيوٰة الدّنيا والله عنده' حسن المآب ٥ قل ءانبئكم بخير مّن ذالكم للذين اتّقوا ٥

ترجمہ: لوگوں کے لیے عورتوں، بیٹوں، ذخیرہ کیے ہوئے سونا چاندی کے ڈھیروں، نشان لگائے ہوئے گھوڑوں، مویشیوں اور کھیتوں کی چاہت ومحبت خوب سجائی گئی ہے۔ یہی دنیوی زندگی کے اسباب ہیں جبکہ اللہ کے ہاں اچھے انجام کی جگہ موجود ہے۔ کہہ دیجیے کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز کی خبر نہ دوں؟ جو اللہ نے اہل تقویٰ کے لیے تیار کر رکھی ہے۔

وہ جو ان اسباب دنیوی سے، خواہشات، غصہ، تکبر اور حسد کی آگ سے بچے رہے وہ اپنے پروردگار کے ہاں بہشتِ بریں میں ہوں گے۔ چنانچہ اسی سورۃ طور میں ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ (۱۷) فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (۱۸)

ترجمہ: بے شک تقویٰ والے باغات اور نعمت کی جگہوں میں ہوں گے جو کچھ ان کے رب نے انہیں دے رکھا ہے وہ اس پر خوش ہوں گے اور ان کے رب نے انہیں جہنم کے عذاب سے بچا لیا۔

تفسیر باطن: اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ یہ وہ نفع بخش علم ہے جس نے انہیں خواہشات کی پیروی کرنے اور اخروی زندگی میں جہنم کا ایندھن بننے والے دنیوی اسباب اکٹھا کرنے کے کھیل تماشوں سے بچا کر تقویٰ اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ یعنی علم نافع کے ذریعے انہیں آگاہی دی، پھر انہیں عذاب سے بھی بچا لیا۔ علم کے ذریعے اپنے آپ کو عذاب سے بچانے کی توفیق اس

لیے دی کہ وہ اس بات کی کوشش کریں کہ وہ خواہشات، غصہ اور تکبر کی آگ کو ذکر، ریاضت اور اخلاقِ حمیدہ کے پانی، برف اور اولوں سے بجھا کر ٹھنڈا کریں۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا ۢبِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (١٩)

ترجمہ: رچتا سہتا کھاؤ پیو اس عمل کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے۔

تفسیر بطن: یعنی لطیفۂ نفسیہ کی مخصوص معرفت کے پھل کھاؤ اور لطیفۂ قلبیہ کے مخصوص چشموں سے پانی پیو۔ ان پھلوں اور پانیوں میں رچائی کا وصف ان نیک اعمال کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جو ظاہری اعضاء و جوارح سے بجالاتے ہیں، اور اس اخلاص و سچائی کی بنا پر ہے جو قلب سے مخصوص ہے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ (٢٠)

ترجمہ: قطاروں میں برابر بچھے ہوئے تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے اور ہم نے ان کو خوبصورت آنکھوں والی حوریں بیاہ دیں۔

تفسیر بطن: مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ کیونکہ وہ مشاہدۂ انوار کے موقعوں پر اپنے اسرار و واردات کو برابر رکھتے ہوئے راحت و طمانیت سے جمے رہے۔ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ چونکہ انہوں نے نفسانی خواہشات کو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں غرق کر دیا، اس لیے ان کو لطیفۂ حوریہ بیاہ دیا جن کی روحانیت گندے خیالات سے پاک ذکر کی صورت کا معاینہ کرنے سے آتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِیٍٔ ۢبِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ (٢١)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ان کے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی تو ہم نے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملا لیا اور ان کے عمل سے کچھ کم نہیں کیا۔ ہر آدمی اس چیز کی وجہ سے گرفتار ہے جو اس نے کمایا ہے۔

تفسیر بطن: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی جو لطائف اپنی طرف بھیجے ہوئے لطیفۂ حقیہ اور ان کو سنائے ہوئے غیبی امور پر ایمان لائے۔ وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ ذرّیت سے مراد لطیفۂ قالبیہ اور لطیفۂ نفسیہ ہے۔ بِاِيْمَانٍ یعنی انہوں نے ظاہری اعضاء اور باطنی قویٰ سے ایمان کو زک پہنچانے والے کسی ایسے منہیات کا ارتکاب، لہویات کا شغل اور معاصی کی جسارت نہیں کی جس کی وجہ سے آنکھوں سے پردہ ہٹ جانے کے وقت ان کو پیشانی سے پکڑا جائے۔ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ یعنی کھانے پینے اور نفسانی چاہتوں کا فائدہ اٹھانے میں ان کے پاکیزہ قویٰ کو لطائف کے ساتھ ملا دیا۔ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ یعنی جو ہم نے ان کی اولاد کو اجر عطا کیا ہے اس کی وجہ سے باپ دادا کے اجر میں کچھ کمی نہیں کی۔ كُلُّ امْرِیٍٔ ۢبِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ۔

☆☆☆☆☆☆

اسلامیات

اللّٰہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی

اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں بھی ہے اور بے کراں بھی۔ اللہ تعالیٰ سے اگر ہم معافی مانگیں تو وہ غفور و رحیم ہونے کے ناطے سے انسانوں کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''ابلیس نے اپنے پروردگار سے عرض کیا: تیری عزت و جلال کی قسم! میں اولادِ آدم کو جب تک ان کے (بدن میں) جانیں ہیں برابر گمراہ کرتا رہوں گا۔ تو اس پر پروردگار نے فرمایا: تو مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم ہے کہ میں بھی ان کی برابر مغفرت کرتا رہوں گا جب تک کہ وہ مجھ سے مغفرت مانگتے رہیں گے۔''

ترمذی شریف کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک غرغرہ شروع نہ ہو۔''

''جو بھی مومن بندہ اپنی موت سے مہینہ بھر پہلے توبہ کرلے اس کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتا ہے یہاں تک کہ اس کے بعد بھی بلکہ موت سے ایک دن پہلے بھی بلکہ ایک ساعت پہلے بھی جو بھی اخلاص اور سچائی کے ساتھ اپنے رب کی طرف جھکے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو مہینہ بھر پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے اور جو ہفتہ بھر پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے۔''

مندرجہ بالا حدیث سورۃ النساء کی آیت نمبر 18 کے تحت تفسیر ابن کثیر میں بھی درج ہے۔ بیہقی میں ایک حدیث شریف ملاحظہ ہو:

''دائیں ہاتھ والا فرشتہ بائیں ہاتھ والے فرشتے پر حاکم ہوتا ہے۔ پھر جب بندے نے کوئی اچھا کام کیا تو دائیں ہاتھ کا فرشتہ (دس نیکیوں کے برابر لکھ دیتا ہے) اور جب اس نے برا کام کیا تو بائیں ہاتھ کا

فرشتہ چاہتا ہے کہ لکھے تو اس کو دائیں ہاتھ کا
فرشتہ کہتا ہے کہ رک جا۔تو وہ رکا رہتا ہے،
چھ گھنٹوں تک۔ پھر اگر اس نے اللہ سے
بخشش مانگ لی تو وہ اس کے خلاف کچھ
نہیں لکھتا اور اگر اس نے بخشش نہ مانگی تو
اس نے اس کے خلاف ایک برائی لکھ لی۔''

حضرت تمیمؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص دس مرتبہ یہ کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ اس کو چار کروڑ نیکیوں کا ثواب عنایت فرماتا ہے۔وہ کلمات یہ ہیں:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ
لَهٗ اِلٰهًا وَّاحِدًا اَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً
وَّلَا وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ" .

(ترمذی، جلد اول، صفحہ 189)۔

معارف القرآن میں حضرت مولانا محمد شفیعؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا ثواب بیس لاکھ گنا تک زیادہ ہو جاتا ہے۔''

(معارف القرآن، ج دوم، مکتبہ دارالسلام، 1428ھ، صفحہ 420)۔

''اللہ کی ذات تو کریم ذات ہے، وہ اپنے بے
پایاں رحمت سے اتنا بڑھا کر دے دیتا ہے کہ
حساب و شمار میں بھی نہیں آتا۔ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ
لِمَنْ يَّشَآءُ۔ اس اجر عظیم کا کیا تصور کیا جا سکتا
ہے جو بارگاہ رب العزت سے ملتا ہے۔وَ يُؤْتِ
مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا۔

(سورۃ النساء، 40، معارف القرآن، ج، دوم، ص 420)۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''یقیناً اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا دس لاکھ اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ (بحوالہ: تفسیر ابن کثیر، ج، دوم، ص 103)

☆☆☆☆☆

بقیہ: احتسابی عمل

10۔ انہیں بہتر سے بہتر بنانے کے لئے کس قدر تیار ہیں؟

نیکیاں اَنگنت ہیں جن کا شمار اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں ہے اوپر ہم نے چند اہم نیکیوں کی فہرست بنائی ہے۔ اسی طرح برائیوں کی بھی کوئی حد و حساب نہیں ہے جس طرح اوپر چند نیکیوں کی فہرست بنائی ہے اسی طرح بعض اہم برائیوں کی فہرست بنائی جا سکتی ہیں جن کا ہمیں ہر وقت سامنا رہتا ہے۔ مثلاً

1- کونسی برائی کا ارتکاب کیا ہے؟ 2- کس امر الٰہی کی خلاف ورزی کی ہے؟ 3- کس کا حق مارا ہے؟

4-اپنے فائدے کے لئے کسی فرد، قوم، معاشرہ یا ملک کو نقصان تو نہیں پہنچایا؟

5-دوسروں کے فائدے کے لئے کیا اقدام کیا ہے؟

6-ذاتی انا کے لئے کونسا کام کیا ہے؟ 7-ذاتی غرض کی تکمیل کے لئے کیے جانے والے عمل نے قوم کو کتنا نقصان پہنچایا؟

قارئین کرام! اگر ہم انفرادی طور پر اپنی نیکیوں کا جائزہ لیں اور ان میں بہتری لانے کے لئے کوشش کریں اسی طرح اپنی برائیوں کا جائزہ لیں اور انہیں ترک کرنے کے لئے اقدامات کریں تو انشاءاللہ ہم نہ صرف دنیا میں سرخرو رہیں گے بلکہ قیامت کے دن بھی نجات و فلاح سے ہم کنار ہو جائیں گے۔

اسی طرح ہمیں اپنے اجتماعی مفاد کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کوئی اقدام کرتے وقت یا کوئی اہم فیصلہ کرتے وقت یہ دیکھنا ہمارا فرض ہے کہ اس اقدام یا اس فیصلے سے قوم کو کون سے فائدے اور کون سے نقصانات کا امکان ہے؟

☆☆☆☆☆

عبادات

فضائل جمعہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

مولانا شکور علی انور،
خطیب و امام جامع مسجد گلگت

دوران خطبہ کے آداب:

خطیب جب منبر رسول پر جلوہ افروز ہو جائے اور خطبہ دینے لگے تو پھر کسی قسم کی گفتگو نہ کی جائے بلکہ موذن کے کلمات اذان کا آہستہ آہستہ آواز میں جواب دیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہوجائیں۔ اگر کسی شخص کو ضروری کوئی بات کرنی ہو تو وہ اشارہ سے کرے یا کسی کو چپ کرانے کے لیے ضرورت پڑے تو اشارہ سے چپ کراوے زبان سے منع نہ کرے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جوکوئی خطبہ کے وقت دوسرے کو زبان سے چپ کرائے گویا اس نے بیہودہ کام کیا۔ اس کو جمعہ کا ثواب نہیں ملے گا۔ اگر دوری کے باعث خطیب کی آواز سنائی نہ دے تب بھی خاموشی اختیار کریں جہاں لوگ باتیں کرتے ہوں وہاں بیٹھنے سے سخت احتراز کریں۔ دوران خطبہ کوئی سنت یا نوافل کی نماز بھی نہ پڑھی جائے (اسمائے سعادت)۔ سید العارفین غوث الحاضرین حضرت شاہ سید محمد نوربخش ؒ نے فرمایا: ''خطیب جب منبر پر جلوہ افروز ہو تو خاموش رہنا حاضرین پر واجب ہے۔ چاہے خطبہ (کی آواز) سنے یا نہ سنے خطبہ پڑھنے کے دوران نماز پڑھنا مکروہ ہے۔'' (الفقہ الاحوط)

خطبہ کے دوران باتیں کرنا سخت منع ہے۔ جس کی ممانعت حدیث شریف میں یوں وارد ہوئی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب خطیب منبر پر جلوہ افروز ہو تو خاموشی اختیار کریں اگر کسی شخص نے بات کی تو اس نے بے ہودہ حرکت کی۔ جس نے بے ہودہ حرکت کی اُس کا کوئی جمعہ نہیں اور تم چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اس حدیث شریف میں خاموشی اختیار کرنے کا حکم ہے اور یہ بھی ظاہر ہے جس نے بیہودہ حرکت کی اس کا کوئی جمعہ نہیں تو ان مظہرات سے واضح ہوگیا۔ یہاں خاموش رہنا واجب ہے۔

سنن اربعہ میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن پاک و پاکیزہ ہوکر سویرے ہی مسجد کی طرف چل دے، پیدل جائے، سوار نہ ہو اور امام سے قریب ہوکر بیٹھے، خطبہ کو کان لگا کر سنے، لغو نہ کرے، (باتیں نہ کرے) تو اسے ہر قدم کے بدلے سال بھر کے روزوں کا ثواب اور سال بھر کے قیام کا ثواب ملے گا۔ (ابن کثیر) جمعہ کے روز مسجد کے صفوں میں بیٹھے لوگوں کے اوپر سے گزرنا سخت منع ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص جمعہ کے روز مسجد میں آیا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے اس شخص نے لوگوں کے اوپر

سے پھاندتے ہوئے آگے نکلنے کی کوشش کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جا تو نے تو لوگوں کو تکلیف دی اور آنے میں بھی دیر کردی۔ حضرت معاذ بن انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کی گردنیں پھاندتے (اوپر سے گزرتے) ہوئے آئے تو جمعہ کے دن اس نے جہنم تک جانے کا ایک پل بنالیا۔ (ابن ماجہ)

گردنیں پھلانگ کر جانے والے اگر سب سے پہلے مسجد پہنچ جائیں تو یہ اُس کے حق میں اجر وثواب کا باعث تھا۔ لیکن دیر سے آنے کے بعد وہ آگے جانے کی کوشش کرے جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچے یہ حرکت درست نہیں ہے عذاب و عتاب کا ذریعہ ہے۔ ہاں اگر کوئی بات کیے بغیر چپ کر کے کسی معزز آدمی کو جگہ دے تو کوئی قباحت نہیں۔ تاہم دوران خطبہ ان حرکتوں سے باز رہیں تو زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ خطبہ میں خاموش رہنا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سے بات کر رہا ہے اور کوئی تیسرا شخص اسے چپ رہنے کا کہہ رہا ہے تو بھی گنہگار اور اس کی چپ حرکت لغو میں شامل ہے۔ لہذا ایسا نہیں کرنا چاہیے تاہم بات کرنے والوں کو اشاروں کے ذریعہ سمجھائے تو جائز ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو شخص امام کے نزدیک بیٹھے، لیکن اس نے (جمعہ کے دن) لغو حرکت کی اور خطبہ نہیں سنا اور خاموش نہیں رہا تو اس پر وبال کا ایک حصہ ہوگا۔ جس نے کہا خاموش رہ اُس نے بھی لغو کیا اور جس نے لغو کیا اس کا کوئی جمعہ نہ ہوا۔ فرماتے ہیں میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی سنا ہے۔ (ابوداؤد)

ان احادیث کا اصل مقصد اور حاصل کلام یہی ہے کہ جمعہ کے خطبہ کے دوران خاموش رہیں۔ خطبہ سنیں یا نہ سنیں مگر خاموش ضرور رہیں۔ کسی قسم کی بات کرنا لغو ہے اور لغو کرنے والے کا کوئی جمعہ نہیں ہوتا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی احادیث اس موضوع کے متعلق ملتی ہیں تاہم استفادے کے لیے یہی کافی ہے۔ بعض روایات میں تحیتہ المسجد کی اجازت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن دوران خطبہ نہ صرف بات کرنا لغو ہے بلکہ چپ کرانا بھی لغو ہے اور نوافل بھی مکروہ ہے۔ تحیۃ الوضوء یا تحیۃ المسجد کا پڑھنا کوئی واجب نہیں ہے۔ اگر کوئی نمازی بلند آواز سے السلام علیکم کہتا ہے تو خطیب آہستہ جواب دے سکتا ہے، سامعین بھی جواب آہستہ دے سکتے ہیں، لیکن تمام محدثین کا اتفاق اس بات پر ہے کہ دوران خطبہ نہ بات کر سکتے ہیں نہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ سیدنا محمد نور بخشؒ فرماتے ہیں: ”خطبہ پڑھنے کے دوران نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔“ (الفقہ الاحوط)

جمعہ کی نیتیں:

نماز جمعہ کی کل دس رکعات ہوتی ہیں۔ ان میں چار رکعت سنت فرض نماز سے پہلے اور چار رکعت سنت فرض نماز کے بعد پڑھتے ہیں۔ جبکہ فرض نماز دو رکعتوں پر مشتمل ہے۔ فرض نماز سے پہلے چار رکعت سنت ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھی جاتی ہے جبکہ فرض نماز کے بعد چار رکعت سنت دو سلام کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

ہمدانیات

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ

مولانا محمد محسن علی ثاقب

''جامعہ پنجاب کے اقبال کیمپس کے فردوسی چیئر کے جناب پروفیسر محمد ناصر صاحب کے محبت نامہ کے دل آویز جمیل جملہ کی جھلک نے یہ بصرت بخشی کہ سیاچن کے دامن سے ایک فرد نور بخشی کو داتا کی نگری لاہور حاضر ہو کر علمی و ادبی محفل میں علمی تشنگی بجھانے کی غرض سے حاضر ہونے کا موقع ملا اور حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی المعروف بہ شاہ ہمدانؒ کی ذات بابرکات کے گوشۂ تحسین و تعجیب کو موضوع بناتے ہوئے الفاظ و تراکیب میں چند الفاظ پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ان الذین امنوا وعملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمن ودا. (سورہ مریم) بے شک وہ لوگ جنہوں نے ایمان لائے اور عمل صالح کیے۔ اللہ خدائے رحمٰن لوگوں کے دلوں میں ان کے لئے محبت پیدا کر دیتا ہے۔

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

اذا احب اللہ العبد قال لجبریل لقداحببت فلانافاحبہ فیحبہ جبریل ثم ینادی فی اھل السماء ان اللہ قد احب فلانا فاحبوہ فیحبہ اھل السماء ثم وضع لہ القبول فی الارض۔ (بخاری و مسلم صحیحین) جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو جبریلؑ سے فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ تو جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے پھر آسمان والوں میں اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد زمین میں اسے مقبولیت عامہ بخشی جاتی ہے۔ (ضیاء القرآن جلد سوم بحوالہ بخاری و مسلم)

حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ ایک جلیل القدر شخصیت، سید والا مقام، سالار عجم، معمار تقدیر امم، شاہ ہمدان، دنیائے تصوف اور جہان فتوت میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ بلکہ آٹھویں صدی ہجری میں فتوت کے ترجمان اور علمبردار ہیں۔ آپ کی تہتر سالہ زندگی انتہائی دل پذیر، ولولہ انگیز اور روح پرور ہے۔ آپ ایک عالم متبحر، بلند مقام عارف، عظیم المرتبت سالک اور منزل تصوف میں مسافر مقیم و مقیم مسافر ہیں۔ شاہ ہمدان نے تین بار ربع مسکون کی سیاحت کی، بارہ بار حج کی سعادت حاصل کی۔ آپ فاضل مؤثر اور بلند پایہ مصنف ہیں۔ ان سب باتوں سے بالاتر آپ عظیم مبلغ اور خدا شناس ولی ہیں۔ آپ کا عظیم ترین کارنامہ بلتستان اور خطۂ کشمیر کے لوگوں کو اسلام سے روشناس کرانا ہے۔ اور اسلام، ایمان، عرفان، ایقان اور محبت آپ کی تعلیمات کا نچوڑ ہیں۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ والمؤمن من امنہ الناس علی دمائھم واموالھم والمجاھد من جاھد نفسہ فی طاعۃ اللہ والمھاجر من ھجر الخطایا والذنوب۔ مسلم وہ ہے جس کی

زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہے۔مؤمن وہ ہے جس پر مؤمن اپنے خون یعنی جان اور مال کے بارے میں اعتماد کریں (یعنی مؤمن ومسلم امن وسلامتی کا پیکر ہیں)، مجاہد وہ ہے جو نفس سے لڑ کر اسے اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار کردے اور مہاجر وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں کو اپنے سے الگ کردے یعنی اللہ کی نافرمانی سے بچتا رہے۔(بیہقی فی شعب الایمان، مشکوۃ اور ذخیرۃ الملوک از امیر کبیر میر سید علی ہمدانی ص۲۹۔)

اور صوفی وہ ہے جس طرح فقہ الاحوط میں میر سید محمد نوربخشؒ جو بالواسطہ مرید وخلیفہ امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ نے فرمایا ہے کہ:
لایکون غرضه الا تعظیما لامر الله وشفقة علی حلق الله وان لا تجتری فیما لا یجتمع علیه امة الاسلامیة وفیما لا یعرف حقیقته بالیقین۔ (الفقہ الاحوط ص ۲۹، از میر سید محمد نوربخش تفسیر التاویلات النجمیۃ از شیخ نجم الدین کبریٰ وعلاؤ الدولہ سمنانی)

یہاں تک کہ اس کا مقصد صرف اور صرف احکام خدا کی تعظیم وتوقیر کرنا اور خدا کی مخلوقات پر رحم وشفقت کرنا بن جائے۔اور کسی مسئلہ کے بارے میں رائے زنی کی جسارت نہ کرے جس پر امت مسلمہ کا اتفاق نہ ہو اور نہ ہی وہ ایسے مسئلہ کے بارے میں لب کشائی کرے جس کی حقیقت کو وہ یقینی طور پر نہ پہچان سکتا ہو۔

انہی اسلامی مبادیات اور انسانی تصورات اور ایمانی حرارت اور ایقانی خدمات سے اہل بلتستان آج بھی شاہ ہمدان امیر کبیر میر سید علی ہمدانی علی ثانیؒ کی تعلیمات کے احسان تلے تہذیبی، تمدنی اور تعلیمی زندگی گزار رہے ہیں۔

بے یقینی، فتنہ پروری، فساد زدگی، دہشت گردی، گروہی و فرقہ وارانہ کشیدگی کے عالم میں خطۂ گلگت بلتستان آج بھی امن عالم کا امین ہے تو اس کے ضامن جناب شاہ ہمدانؒ ہیں۔

قتل وغارتگری، چوری چکاری، ڈاکہ زنی، مذہبی کشیدگی سے پاک بلتستان کی فضاء آج بھی ان کی تعلیمات کے حسین مظاہر اور انمٹ نقوش کا فیض یافتہ ہے۔علی الخصوص ضلع گانچھے میں ۱۹۹۴ء سے اب تک سنگین نوعیت کا ایک بھی FIR اور دہشت گردی کا ایک بھی مقدمہ کسی بھی تھانے میں درج یا رجسٹر نہیں ہوا ہے۔

مساجد اور خانقاہیں آج بھی تمام کلمہ گو مسلمان کے لئے واگزار ہیں اور کسی بھی لمحہ کے لئے ان کو قفل نہیں لگتا۔پنج وقتہ نماز کی صدائے تکبیر کے علاوہ مسجد نبوی اور کعبۃ اللہ کی طرح اذان تہجد کی گونج فرزندان توحید کے لئے باعث افتخار ہے۔

آپ کی تبلیغی مساعی کی بدولت کشمیر میں ۵۰ ہزار نفوس حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور بلتستان سے ماوراء النہر تک میں ۳۷ ہزار انسانوں کو توحید کا پیغام ملا۔

مسجد وخانقاہوں کی تعمیر میں بڑھئی، معمار، چوبکار، نقش ونگار کے ماہرین کی ایک منظم جماعت نے گنبد علویاں ہمدان کی طرز پر اسلامی تہذیب وثقافت کی وہ مہارت دکھائی ہے کہ ہر باذوق انسان جامع مسجد چق چن کی دیدہ زیب طرز تعمیر سے مسجد نبوی کی لطافت ولذت کی چاشنی محسوس کرتا ہے۔ جہاں ان خانقاہوں کی طرز تعمیر محیر العقول ہیں، وہاں ان کی باطنی اور حقیقی حسن وجمال کی رعنائیوں کو اس وقت چار چاند لگ جاتے ہیں، جب یہاں دعائے صبحیہ، اوراد فتحیہ اور اوراد عصریہ اور دُعائے رتاب کے ورد سے سماں بندھ جاتا ہے۔علی الخصوص ریاضت ومجاہدات اور چلہ کشی واعتکاف نشینی کے روحانی ورثے سے معمور فرزندانِ توحید اللہ سے لو لگا کر محویت وسکر اور سکینت کے مقام ہائے جلیلہ پر فائز ہونے کے مشتاق ہوتے ہیں، تو عالم روحانیت کی اقسام ولایت پر ایک تانتا بندھ جاتا ہے۔قائم اللیل، صائم الدہر، دائم الوضو اور باقی الذکر کی لذات سے مستفیض ہو کر روح ہمدانی کے ساتھ یہاں کے اہل ایمان اپنے تعلق باطن کو استوار کر لیتے ہیں۔

مسجد ومحراب کی ظاہری آرائش اور ستون وستوار کے دلکش مناظر کے لئے ہزاروں سیاح ان پر امن خطوں کے راہی بنتے ہیں اور

امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی انسان دوستی، بے غرضی، بے لوث خدمات اور بے پناہ محبت کے ذخائر سے اپنے قلب وباطن کو منور کر کے واپس اپنے علاقوں کے لئے امن کے پیامبر اور محبت کے داعی بن کر لوٹ جاتے ہیں۔ ؎

روشن ہے ان کے نام پہ چق چن کی خانقاہ
بھٹکے ہوؤں کو جس نے دکھائی ہے حق کی راہ
پیغام حق سنا کر امیر کبیر نے
اک انقلاب برپا کیا مرد پیر نے

(علی احمد قمر سلترو بلتستان)

انسانی زندگیوں کے ارتقاء کے عمل کے ساتھ اہل بلتستان نے اپنے محسن ومربی کے ساتھ تعلقات کو استوار رکھنے کے لئے مختلف تدبیریں بجا لائیں ادارہ جات، مراکز ان کے نام سے منسوب کیے گئے۔ الندوۃ الاسلامیۃ النوربخشیہ نے اشاعتی ذمہ داریاں نبھائیں۔ سپریم کونسل علمائے صوفیہ نوربخشیہ آپ کی تصانیف وتعلیمات کے امین ہیں۔ مدرسہ شاہ ہمدان سکردو کا قیام اس سلسلے کی اہم ترین کڑی ہے۔

مساجد وخانقاہوں کو آپ کی ذات والا صفات کے ساتھ منسوب کیا گیا۔ مدارس ومکاتب آپ کے نام سے معنون ہیں۔ شاہرات اور نئے چوک کو شاہ ہمدان اور شاہراہ سیاچن کو آپ کی سیاحت ربع مسکون کی یاد تازہ رکھنے کا سبب بنایا ہے۔ اولیاء اللہ کے مزارات میں آپ کی روح کے ایصال ثواب کے لئے مخصوص چبوترے قائم کیے گیے ہیں۔ پریس اینڈ پبلیکیشنز کے ادارے شاہ ہمدان سے منسوب ہیں۔ عوامی ٹرانسپورٹس، ذاتی کاروبار، پرائیویٹ سکولوں کے نام کی تختیاں آپ کے لئے فرش راہ ہیں۔ سالانہ محافل میلاد ووفات پر میگزین، ریڈیو سکردو سے پروگراموں کی نشر واشاعت آپ سے قلبی تعلق اور والہانہ عقیدت کے مظاہر ہیں۔ متعدد شاہ ہمدان کانفرنس کا انعقاد اس کی اہم کڑیاں ہیں۔

۲۰۰۶ میں منعقدہ شاہ ہمدان کانفرنس کے موقع پر آپ کے نام نامی اور اسم گرامی سے ضلع گانچھے کے نام کو ضلع شاہ ہمدان رکھنے کا مطالبہ کیا گیا اور موجودہ دور حکومت میں بلتستان یونیورسٹی کو شاہ ہمدان یونیورسٹی کی تجویز پیش کی گئی ہے۔

آپ کی راہنمائی کی بدولت سلسلۃ الذہب الصوفیہ کے اولیائے کرام حضرت شیخ علاؤ الدولہ سمنانیؒ، حضرت نجم الدین کبریٰؒ، حضرت عبدالرحمٰن اسفرائنیؒ، حضرت شیخ عمار یاسر بدلیسیؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ کے مسودات ومکتوبات کی حصولی کے لئے ڈیجیٹل لائبریری کا قیام، شاہ ہمدانؒ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آف صوفی ازم عمل میں لایا گیا ہے۔ اور تفسیر التاویلات النجمیۃ اور العروۃ لاہل الخلوۃ والجلوۃ جیسی عظیم کتاب جو آپ کے ماموں حضرت شیخ علاؤ الدولہ سمنانیؒ کی تفسیر باطنی کی ایک عظیم شہکار ہے۔ شاہ ہمدان پریس اینڈ پبلیکیشنز کے زیر اہتمام چھپ چکی ہے۔ اس کی تعلیمات اسلامی دنیا میں موجود اور مروج اختلافات کو کم کرنے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور منافرت کے خاتمہ اور محبت کے فروغ کے لئے ایک جامع نصاب ہے۔

اور اس مردم خیز سرزمین شاہ ہمدان کے پیروکاروں نے مسلک صوفیہ نوربخشیہ کی روش اپنا کر مشرب ہمدانیہ کی مشرب محبت کا جام بھر لیا ہے۔ اور اپنے تعارف کو اس طرح اقوام عالم کے سامنے پیش کرتے ہیں: بندۂ خدا، ذریت آدمؑ، ملت ابراہیمؑ، اُمت محمدؐ، دین اسلام، کتاب قرآن، کعبہ قبلہ، متابعت سنت، محبت علی، سلسلۂ ذہب، مذہب صوفیہ، مشرب ہمدانیہ، روش نوربخشیہ، مرید مرشد۔

مسلک صوفیہ نوربخشیہ دراصل مشرب ہمدانیہ ہے اور مذہب صوفیہ نوربخشیہ دیگر اسلامی مکاتب فکر سے متماثل ایک جداگانہ حیثیت کی حامل اسلامی صوفی مکتب فکر ہے۔ جن کے نزدیک بقول حضرت شاہ ہمدان اہل بیت عظام کو عالم حقیقت کا درخشندہ آفتاب اور صحابۂ کرام کو آسمان طریقت کے روشن ستارے کہا کرتے ہیں: اصحابی

کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم ۔

دراصل حضرت شاہ ہمدان کو آج کل جو شہرت مل رہی ہے اس کا سہرا اسی پنجاب یونیورسٹی کے سر ہے۔اسی یونیورسٹی کے مشہور عالم محقق مولوی محمد شفیع کی زیر نگرانی سیدہ اشرف ظفر بخاری صاحبہ نے حضرت شاہ ہمدان کی زندگی پر PhD کی اور آپ پر اولین سوانحی کتاب خلاصۃ المناقب کو ایڈٹ کیا، بعد میں ان کی دونوں کتابیں شائع ہوئیں اور اردو ترجمہ بھی چھپ گیا۔ڈاکٹر صاحبہ کی یہ کاوشیں منظر عام پر آنے کے بعد وطن عزیز میں حضرت شاہ ہمدان کی تشہیر ہونے لگی۔ بعد میں محترم ڈاکٹر محمد ریاض بھی اس میدان میں آئے۔ان دونوں کی کوششوں سے شاہ ہمدان کے کئی کتب و رسائل ایران اور پاکستان میں شائع ہوئے۔پھر میر عبدالعزیز اور آغا حسین ہمدانی کی قیادت میں سادات ہمدانیہ ایسوسی ایشن کے تحت زوروشور سے مقامی اور بین الاقوامی سطح پر کانفرنس، سیمینارز کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس سلسلے میں مظفر آباد، مری، مانسہرہ، ایبٹ آباد، اسلام آباد، راولپنڈی، سکردو اور خپلو میں بہت سا کام ہوا۔افسوس ڈاکٹر محمد ریاض، میر عبدالعزیز اور آغا حسین ہمدانی کی وفات کے بعد گویا یہ سلسلہ ختم گیا۔

امیر کبیر میر سید علی ہمدانی کا پیغام محبت:

حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ فروغ امن ومحبت کے یکتائے روزگار ہستی ہیں۔ذخیرۃ الملوک میں اپنے اس محبت کے پیغام کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ کو یوں بیان فرمایا ہے: ان حول العرش منابرمن نورعلیها قوم لباسهم نوروَوجوههم نورولیسوا بانبیآء ولا شهدآء یغبطهم النبیون والشهدآء فقالوا یارسول الله! صفهم لنا قال صلی الله علیه وآله وسلم هم المتحابون فی الله والمتجالسون فی الله والمتزاورون فی الله۔ عرش کے اردگرد نورانی منابر لگے ہیں ان پر ایک قوم براجمان ہے جن کے لباس اور چہرے نورانی ہیں وہ انبیاء ہیں نہ شہداء، مگر انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان کے اوصاف کیا ہیں؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور اللہ ہی کے لئے یہ ایک دوسرے سے جھگڑتے ہیں اور اللہ ہی کی خاطر ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ (ذخیرۃ الملوک)

خلاصۃ المناقب میں دشمن سے بھی محبت کا پیغام آفرین اس طرح دیا ہے:

هرکه مارا یار کرد
ایزد مر او را یار کرد
هرکه مارا خوار کرد
از عمر برخور دار باد
هرکه اندر راه ما خاری فگند از دشمنی
هر گلی کز باغ وصلش بشگفت بیخار باد
در دو عالم نیست مارا باکسی گرد وغبار
هرکه ما را رنجه دارد راحتش بسیار باد

یعنی جو ہمارا دوست ہے اللہ اس کا معاون ومددگار ہو، جس نے ہمیں خوار کیا، اللہ تعالیٰ اس کو اس کی عمر سے نفع دے، جس نے دشمنی سے ہماری راہ میں کانٹے بچھائے، اس کے باغ وصل میں کانٹوں کے بغیر پھول کھلائے دونوں جہانوں میں ہمارا دل کسی سے میلا نہیں، جس نے ہمیں رنج پہنچایا اسے راحت نصیب ہو۔ (خلاصۃ المناقب ص۲۰۸)

یہ نظم تاجکستان کے رائج الوقت سکہ دس سموتی پر روسی زبان میں نقش ہے جبکہ مدرسہ شاہ ہمدان سکردو کے صدر دروازے پر جلی حروف میں کتبہ کیا ہوا ہے۔

اللهم اثبت قلبی علی دینك وطاعتك وقونی علی استعمال سنة حبیبك صلی الله علیه وآله وسلم ووفقنی لسلوك فی الطریق الصوفیة كما وفقت للمشائخ العظام واعنی علی ذكرك الكریم فی جمیع اللیالی والایام۔

عملیات

قند مکرر ۔ لب تشنہ تقریر

ڈاکٹر غازی محمد نعیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ط

محترم قارئین نوائے صوفیہ!

ماہنامہ نوائے صوفیہ انٹرنیشنل کا ۱۲۰ واں شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ گویا ہم نے رسالے کی اشاعت کی سنچری پہلے ہی مکمل کر لی۔ اس خوشی کے موقع پر ہم تمام قارئین کو مبارک باد کے مستحق سمجھتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ کارنامہ ہماری ہمت اور محنت کے بل بوتے پر کم اور آپ لوگوں کی حوصلہ افزائی اور پذیرائی کے باعث زیادہ انجام پذیر ہوا ہے۔ عام مشاہدے کی بات ہے کہ رسائل و جرائد خاص کر مذہبی و ادبی رسائل کے اجراء کا کام چنداں مشکل نہ سہی لیکن تسلسل سے اشاعت ایک نہایت مشکل امر ہے۔ ایسے رسائل و جرائد کو جاری و ساری رکھنے کے لئے انہیں اولاد کی طرح پالنا پوسنا پڑتا ہے۔ اولاد کی پرورش میں بھی والدین کو ایک عمر تک سوائے رنج و محن کے کچھ ہاتھ نہیں آتا لیکن اولاد آخر زندگی کے تسلسل کا نام ہے اس لئے ان کی طرف سے ملنے والی تمام تکالیف و ایذاء بھی خوشگوار معلوم ہوتے ہیں۔ بعینہ انسان کی علمی اور ادبی تخلیقات جو اس کی روحانی اولاد ہوا کرتی ہیں اس کی روحانی زندگی کو تسلسل اور بقائے دوام دینے کا کام کرتی ہیں اس لئے تمام مشکلات کے باوجود روحانی والدین ان کی پرورش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

سو ہم نے بھی غریب والدین کی طرح نوائے صوفیہ کو اپنی روحانی اولاد سمجھ کر پالا پوسا اور اب ماشاءاللہ یہ بالغ اور جوان ہو گیا ہے۔ لیکن ساتھ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ بلوغت و جوانی حیات جاودانی کی گارنٹی نہیں ہے۔ آفات ناگہانی سائے کی طرح ہر فانی چیز کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ پس ہمیں اور آپ کو مل کر اس روحانی اولاد کی مزید نگہداشت کرنی ہے اور اسے مرگ ناگہانی کا شکار بننے سے بچانا ہے۔

شکایت و حکایت:

محترم قارئین کرام! آپ نہایت محبت اور اپنائیت کے ساتھ اپنی مصروفیات سے اپنا قیمتی وقت بچا کر سارا سال ہمیں یاد کرتے رہتے ہیں اور اپنے قیمتی مشوروں سے ہمیں نوازتے رہتے ہیں۔ صفحات کی گنجائش کم ہونے کے باعث ہم ہر شمارے میں تمام مضامین، رپورٹس، خبریں اور خطوط کا جواب شائع کرنے سے قاصر رہتے ہیں لیکن پھر بھی ایک بار ضرور آپ سے نصف ملاقات کی سبیل بہم پہنچاتے ہیں۔ یہ گویا آپ کے محبت ناموں کا ایک قلم جواب دینے کا موقع ہوتا ہے۔

گزشتہ کئی سالوں سے آپ کی طرف سے جتنے خلوص بھرے مشوروں اور خطوط ہمیں موصول ہوئے ہیں انہوں نے ہمیں ہر بار نئی زندگی اور نئی توانائی بخشی ہے اور ہر بار ہماری تھکن کا فور کر کے نئی بشاشت اور امنگ ہمارے دلوں میں پیدا کی ہے۔ آپ کی اس مسلسل اور مکمل حمایت کا ہم تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور

امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی یہ الطاف وعنایات جاری رہیں گے۔

ساتھ ہی چند گنتی کی شکایات زبانی طور پر موصول ہوئی ہیں جن پر تبصرہ کرنا اور حتی المقدور ان کا ازالہ کرنا بھی نہایت امر ضروری ہے۔ یاد رکھیے کہ شکایت محبت اور اپنائیت کی علامت ہوتی ہے جیسا کہ شاعر نے فرمایا ہے۔

ہر روز ایک تازہ شکایت ہے آپ سے
واللہ مجھ کو کتنی محبت ہے آپ سے

نوائے صوفیہ کو اپنے چاہنے والوں کی جو شکایات موصول ہوئی ہیں ان میں سے دو باتیں قابل ذکر ہیں۔

۱۔مضامین کی یکسانیت

۲۔اشاعت میں تاخیر

آپ کی پہلی شکایت رسالے کی اشاعتی پالیسی سے متعلق ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ نوائے صوفیہ ایک سنجیدہ دینی اور علمی رسالہ ہے۔ رسائل و جرائد کو دلچسپ بنانے کے لئے عموماً سنسنی خیز خبروں، لطائف وظرائف اور رنگین تصاویر کا سہارا لیا جاتا ہے جبکہ ایک سنجیدہ علمی رسالہ ان چیزوں کا متحمل نہیں ہوسکتا ۔احیائے تصوف کا ترجمان ہونے کے ناطے سے نوائے صوفیہ ترجیحاً علم تصوف پر علمی اور تحقیقی مضامین اور مقالہ جات کو شائع کرتا ہے اس کے علاوہ ہر دینی رسالے میں قرآن پاک اور حدیث پاک کا ایک باب شائع ہونا بھی لازمی ضرورت ہے۔ اداریے میں ہم حالات حاضرہ پر تبصرہ کرنے کی بجائے کسی فکری موضوع پر اظہار خیال کرتے ہیں جس کا بنیادی مقصد اصلاح معاشرہ اور انسانی بہبود ہوا کرتا ہے۔ علاوہ ازیں مسلک پاک صوفیہ نوربخشیہ سے متعلقہ اعتقادی وفروعی مضامین کو خصوصی اہمیت کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے اور رسالے کے صفحات کا نصف حصہ عموماً اس نوع کے مضامین کے لئے مختص ہوتا ہے۔ اس ضمن میں علامہ صاحب کے مضامین ''مجموعہ شریعت محمدیہ'' اور ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' تمام قارئین میں یکساں مقبول رہے۔ نیز مولانا انورالکوروی کا ''تعارف صوفیہ نوربخشیہ'' مسلک صوفیہ نوربخشیہ کے تعارف میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ھدایات اور نوربخشیات کے موضوعات پر شاہ ھمدان امیر کبیر سید علی ھمدانیؒ اور غوث المتاخرین شاہ سید محمد نوربخشؒ کی مبارک تعلیمات کو بھی مؤثر انداز میں نذر قارئین کرایا جاتا رہا ہے۔ مسلک صوفیہ کے روحانی سلسلے یعنی سلسلۃ الذھب الصوفیہ کے کم و بیش تمام پیران طریقت اور مرشدان حقیقت کے حالات زندگی نذر قارئین کئے جاچکے ہیں۔ اس کے علاوہ اخبار التصوف کی ذیل میں نوربخشی دنیا میں پیش آنے والے تمام قابل ذکر واقعات کو بھی ریکارڈ میں لایا جاچکا ہے جس سے اہل نوربخشیہ کے رابطہ باہمی کو بہت فروغ ملا ہے۔

جیسا کہ ابتداء میں ہی اعلان کیا جاچکا ہے کہ نوائے صوفیہ میں اشاعت کے لئے ان علمی مضامین کو اولیت دی جائے گی جو تحقیق اور عرق ریزی سے تیار کئے گئے ہوں اور محض قلمکاری خیال آرائی پر مشتمل نہ ہوں۔ اس لحاظ سے علماء اور محققین کے مضامین اپنی علمی افادیت کے پیش نظر ترجیحی بنیاد پر شائع ہونا ایک منطقی بات ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ نوائے صوفیہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا یا ان کے مضامین کو جان بوجھ کر نظرانداز کرتا ہے۔ رسالے میں اشاعت کا اہم ترین معیار تحریر کی افادیت ہے اگر مضمون محنت سے تیار کیا گیا ہو اور اس کا مطالعہ قارئین کے لئے مفید ہو اور تصوف اور نوربخشیہ کی اشاعت اور تبلیغ میں معاون ہو تو ہم اسے ضرور جگہ دیتے ہیں اور زبان و بیان اور انشاء پردازی کی کمزوریوں کو خود دور کر کے اور نوک پلک درست کر کے شائع کرتے ہیں۔ اگر مضمون قلم برداشتہ لکھا گیا ہے یا نظم وزن و بحر اور قافیہ ردیف سے بے نیاز ہونے کے ساتھ ساتھ

مفید خیالات سے بھی تہی ہے تو ایسی تحریریں نا قابل اشاعت قرار پائیں گی۔ ایسے مضامین کی اشاعت کی توقع نہیں کی جانی چاہئے۔ ایسی صورت حال میں صاحب خلوص اور صاحب تمیز قلمکار دل برداشتہ یا شاکی ہونے کی بجائے اپنی ادبی کاوش پر نظر ثانی کرتے ہیں اور زیادہ محنت سے زیادہ اچھی چیز تیار کرتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی تحریر کی عدم اشاعت کو ترک تعلق کا بہانہ ہرگز نہیں بناتے۔

کچھ علمائے کرام کی تحریریں زیادہ تواتر کے ساتھ شائع ہونے کی وجہ یہی ہے کہ ان کی نگارشات مسلک کی ترقی اور اہل مسلک کے فوز و فلاح کے لئے نہایت گراں قدر ہیں۔ اہل نوربخشیہ پر ان مخلص علمائے کرام کا بے حد احسان ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ بے شمار علمائے کرام ایسے بھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دولت علم سے نوازا ہے اور ان کے قلم میں بھی زور عطا فرمایا ہے تاہم انہوں نے نامعلوم وجوہات کی بنا پر یا تو نوائے صوفیہ کو یکسر نظر انداز کر رکھا ہے یا ایک آدھ مضامین بھیجنے کے بعد لمبی خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ اگر تمام علمائے کرام رسالہ نوائے صوفیہ کے ساتھ قلمی تعاون فرمائیں تو یقیناً رسالے کے تنوع اور مضامین کی بوقلمونی میں اضافہ ہو جائے گا اور اگر اس کے برعکس صرف دو یا چار علماء کرام تک یہ ذمہ داری محدود رہے گی تو مضامین میں یکسانیت اور یک رنگی کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ پس جہاں تک قارئین کی پہلی شکایت کا تعلق ہے اس کا ادارہ نوائے صوفیہ نہیں بلکہ صوفیہ نوربخشیہ کے وہ علمائے کرام جواب دہ ہیں جن کی نظر التفات ہنوز ہم پر پڑی ہی نہیں ہے یا ہم سے پھر چکی ہے۔

جہاں تک تاخیر فی الاشاعت کی بات ہے ہم اس بات سے قارئین کو پہلے ہی آگاہ کر چکے ہیں کہ نوائے صوفیہ رضا کارانہ بنیادوں پر فی سبیل اللہ کیا جانے والا کام ہے جس کے گنتی کے کارکن ہیں اور وہ بھی اپنی ملازمتوں اور تلاش معاش کی سرگرمیوں سے بمشکل فرصت پا کر اپنے آرام وسکون کے چند لمحات کو اس کام میں صرف کرتے ہیں۔ پس یہ کل وقتی نہیں بلکہ جز وقتی کام ہے اس کے باوجود رسالے کے ایک سو انتیس شمارے اب تک نکل چکے ہیں۔ ان میں گنتی کے دو چار مہینوں میں اشاعتی تاخیر کی صورت حال پیش آئی۔ مگر پچھلا شمارہ چھپ چکنے کے بعد گیارہ مہینے بعد یہ رسالہ چھپ کر آپ کے مبارک ہاتھوں میں ہے۔ اس حوالے سے اداریہ میں تفصیل سے بیان ہوئی ہے کہ آئندہ کے لائحہ عمل کے لیے منتظمین نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ ایسی حالت میں چند نوجوانان محبین ملت کی رگ حمیت پھڑکی اور اس عظیم الشان جریدے کے دوبارہ اجراء کا فیصلہ کیا ہے۔ انشاء اللہ اب سے یہ ماہنامہ جریدہ تسلسل کے ساتھ شائع ہوتا رہے گا۔ محترم قارئین! آپ جانتے ہیں کہ ہمارا واحد ذریعہ آمدن قارئین کی طرف سے موصول ہونے والا ہدیہ ہے۔ یہ ہدیہ اگر پورا پورا اور بروقت وصول ہو جائے تو رسالے کے بروقت اشاعت کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی کتابیں چھپ سکتی ہیں۔ حالانکہ قارئین کی سہولت کی خاطر کئی برس گزرنے کے باوجود رسالے کے ہدیہ کی رقم میں کوئی اضافہ بھی نہیں کیا گیا ہے۔ پس رسالے کی بروقت اشاعت خریداروں کی طرف سے ہدیہ کی رقوم کی بروقت ترسیل پر منحصر ہے۔ اگر یہ ترسیل تاخیر سے ہوگی تو رسالے کی اشاعت میں بھی تعطل پیدا ہوگا اور اگر بالکل منقطع ہو جائے گی تو رسالے کی اشاعت بھی بالکل منقطع ہو جائے گی۔ اس حقیقت کی مزید وضاحت کے لئے ایک لطیفہ آپ کے گوش گزار کرتے ہیں۔

کہتے کہ ایک بادشاہ نے اپنی تمام رعایا کو حکم دیا کہ فلاں تالاب کو راتوں رات دودھ سے بھر دیا جائے اور ہر خاندان پر لازمی قرار دیا کہ وہ ایک بالٹی دودھ کا رات کے وقت اس تالاب میں انڈیل دے تاکہ صبح تک سارا تالاب دودھ سے بھر جائے۔

جب رات ہوگئی اور تالاب کو دودھ سے بھرنے کا مرحلہ آیا تو ایک شخص کے دل میں خیال آیا کہ سارا شہر تو تالاب میں دودھ کی بالٹیاں انڈیلنے جائے گا اگر میں اکیلا آدمی پانی کی بالٹی انڈیل دوں تو کیا فرق پڑے گا اور رات کی تاریکی میں کسی کو پتہ بھی کیا چلے گا؟ پس اس نے دودھ کی بجائے پانی کی بالٹی انڈیل دی۔ اتفاق کی بات یہی خیال دوسرے، تیسرے، چوتھے اور پانچویں شخص کے دل میں بھی پیدا ہوا۔ یہی نہیں بلکہ گاؤں کے ہر فرد کے دل میں یہی خیال پیدا ہوا کہ باقی سب تو دودھ بھرنے جارہے ہیں ایک میرے پانی انڈیلنے سے کیا فرق پڑے گا اور رات کے اندھیرے میں کسے پتہ چل سکے گا۔ بس پھر کیا تھا ہر خاندان کے سربراہ نے یہ فرض کرتے ہوئے کہ باقی سب تو دودھ بھرنے جارہے ہوں گے خود پانی کی بالٹی تالاب میں انڈیل دی۔ صبح کی روشنی پھیلی تو کیا دیکھتے ہیں کہ تالاب پانی سے لبالب بھرا ہوا ہے اور اس میں دودھ کا ایک قطرہ بھی کسی نے ڈالنا ضروری نہیں سمجھا۔

قارئین کرام نوائے صوفیہ کے تالاب میں اگر ہر خریدار بالٹی یہ سوچ کر انڈیلنے سے گریز کرے گا کہ باقی سب تو اسے لبالب بھرنے میں مصروف ہوں گے ایک میرے کچھ نہ ڈالنے سے کیا فرق پڑے گا تو ہر مہینے کے اختتام پر نوائے صوفیہ کا تالاب تو بالکل خالی رہ جائے گا۔ ہم دودھ نہیں صرف پانی مانگ رہے ہیں۔ یہ پانی جمع نہ ہوگا تو علم و ادب کی کھیتیاں کہاں سے سیراب ہوں گی؟ غور کیجیے آپ کو اپنی شکایت کا جواب خود مل جائے گا۔ خدانخواستہ آب رسانی کا یہ سرچشمہ خشک ہوا تو ایسی خشک سالی اور قحط سالی کی کیفیت بھی پیدا ہوسکتی ہے جس کا اندازہ کرنا اہل فہم کے لئے مشکل نہیں ہے۔ سادہ ترین لفظوں میں یہ بات یوں کہی جاسکتی ہے کہ خدارا اپنی قومی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اپنے بقیہ جات بروقت ارسال کردیا کیجیے۔

رسالے کے مستقل نمائندوں کو اپنی خلوص بھری روایات کے مطابق نئے عزم و ہمت سے نئے خریدار بنانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ یہ کار خیر جاری و ساری رہے اور مسلک صوفیہ نوربخشیہ کی نشر و اشاعت کا یہ واحد ذریعہ بند نہ ہوجائے۔

علمائے نوربخشیہ سے گزارش:

سطور بالا میں ہم اپنی ایک شکایت علمائے نوربخشیہ کے گوش گزار کرچکے ہیں۔

اے وارثان علم نبوت! یہ کام جو ہم چند بے علم اور کم علم لوگ کر رہے ہیں دراصل یہ آپ کے شایان شان کام ہے اور ہم کسی طور سے اس کام کے قابل نہیں۔ ہم تو محض تبلیغ حق کی خاطر آپ کی خدمت اور معاونت کرنے کے قابل ہیں۔ لیکن آپ نے اپنے فرض منصبی سے تغافل کیوں اختیار کر رکھا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و حکمت کی روشنی سے نوازا ہے اس نور سے اہل عالم کے دلوں کو منور کیوں نہیں کرتے؟ آج

"زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن"

والی صورت حال کیوں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو صلاحیت دی ہے اسے اس غریب مسلک کی بقا و ترقی کے لیے بھی استعمال کیجیے۔ نوائے صوفیہ مسلک نوربخشیہ کی واحد اشاعتی کوشش ہے اس کے ساتھ قلمی تعاون کیجیے تاکہ دین اسلام کی روشنی سے سب اہل مسلک کے قلوب و اذہان روشن ہوں اور نوجوان نسل کی رہنمائی کا سامان فراہم ہو۔ یہ سب باتیں آپ کے فرائض میں شامل ہیں جبکہ ہم تو وہ لوگ ہیں کہ وما علینا الا البلاغ کا کلمہ بھی ہم پر نہیں بچتا۔

☆☆☆☆☆

تحقیقات

شیخ علاء والدولہ سمنانیؒ

تحریر: عبد الرفیع حقیقت رفیع
ترجمہ: سید سلطان محمد شگری

''نوٹ: یہ مقالہ ایران کے مشہور دانشور اور محقق عبدالرفیع حقیقت رفیع نے لکھ کر فرہنگ قومس سال ششم شمارہ ۲۰ میں شائع کیا ہے۔ موصوف نے سمنانیؒ کا مکمل دیوان بھی نخجانہ وحدت کے نام سے شائع کی تھی۔ یہ مضمون صفحہ ۷۳ سے ۱۰۰ تک یعنی کل ۲۷ صفحات پر پھیلا ہوا ہے ہم اردو میں اس مضمون کی تلخیص یہاں دے رہے ہیں۔ مضمون محمد یعقوب براہوی حال مقیم سویڈن نے فراہم کیا ہے۔''

شیخ ابوالمکارم، رکن الدین، علاوالدولہ احمد بن محمد بن احمد بیابانکی سمنانیؒ ساتویں صدی ہجری کے اواخر اور آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں ایران کے نمایاں ترین عرفاء میں سے ہیں۔ عزت نفس، قوت ذاتی، بے نیازی، فارغ البالی اور منصب ودولت سے عدم دلچسپی کی بناء پر سمنان کا یہ محقق، عارف اور شاعر ایران کے عارفانہ افکار کی تاریخ میں بلند مقام رکھتا ہے اور اسی سبب سے آپ کو اپنے زمانے کے تمام فکری پیشواؤں سے ممتاز کر کے حیران کن برتری عطا کرتا ہے۔

یہ عقلمند اور زیرک عارف ذی الحجہ ۶۵۹ھ کو سمنان سے ۱۲ کلومیٹر دور بیابانک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ شیخ علاوالدولہ سمنانیؒ کا تعلق سمنان کے ایک قدیمی دولت مند خاندان ملک سے تھا اسی وجہ سے بعض تذکرہ نویس جیسے جامی وغیرہ نے ان کو سمنان کے بادشاہوں میں شمار کیا ہے۔ لیکن شیخ علاوالدولہؒ نے خود کتاب العروۃ کے آخر میں لکھا ہے کہ ان کے آباء واجداد سندھ سے تھے جنہوں نے سمنان میں سکونت اختیار کی اور آپ اسی شہر میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔

شیخ علاوالدولہ کے والد ملک شرف الدین محمد ایلخانی سلاطین ارغون خان اور غازان خان کے دربار میں مقام ومرتبہ اور عزت واعتبار رکھنے والا تھا۔ فصیح احمد خوانی کے مطابق ملک شرف الدین محمد ارغون خان کے حکم سے ۶۸۷ھ میں ''ملکی بغداد'' مقرر ہوئے ملک شرف الدین محمد ''ملکی بغداد'' جو ایلخانی دور میں مختلف صوبوں کے حکمران کا عہدہ تھا منتخب ہونے کے ایک سال بعد ان کے بھائی ملک جلال الدین ارغون خان کے حکم سے قتل کر دیے گئے لیکن ملک شرف الدین محمد اسی طرح اپنے عہدے پر فائز رہے۔ رشید الدین فضل اللہ ہمدانی کی تحریر کے مطابق آپ نے غازان خان (۶۹۴ھ تا ۷۰۳ھ) کے بعد کے دور میں ''الغ بیتکچی'' کا عہدہ حاصل کیا۔ غازان خان نے اپنی حکومت کے استحکام سے پہلے ہی یہ عہدہ شرف الدین محمد کو عنایت کی تھی۔ شرف الدین محمد نے یہ عہدہ ۶۹۵ھ تک سنبھالے رکھا یہاں تک کہ اس سال جمال الدین دستجردانی ان کی جگہ منتخب ہو گئے۔ اسی سال ملک شرف الدین محمد اپنے بھائی کی طرح مصیبت میں پھنسے اور غازان خان کے حکم سے مارے گئے۔

شیخ علاوالدولہؒ کی والدہ رکن الدین صاین سمنانی کی بہن تھیں جو ایلخانی دور کے قاضیوں اور عالموں میں سے تھے اور علاوالدولہ نے فقہ اور حدیث کے ابتدائی علوم انہی سے حاصل کی۔ کتاب العروہ میں خود شیخ اور بعض مورخین اور تذکرہ نویسوں کے خیال کے مطابق آپ نے سمنان کے گاؤں کے مکتب میں پڑھنا لکھنا سیکھا۔ پھر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے لگے جب ۱۵ سال کو مدرسے سے نکلا تو کچھ اعلیٰ علوم عقلی ونقلی میں سے حاصل کر چکے تھے۔ اس کے بعد اپنے خاندانی روش پر چلتے ہوئے صاحب مسند کی ملازمت اختیار کی جب مغل ایلخانیوں کے دربار کا حصہ بن گئے پھر مختصر مدت میں مخصوص مہربانیوں

کے لئے بھی مرکز توجہ قرار پائے۔ یہاں تک کہ حکومت کے اراکین، امراء اور وزراء آپ سے حسد کرنے لگے۔ خود شیخ بھی ملازمت کی انجام دہی کے بہت شوقین تھے اس حد تک کہ نماز کی ادائیگی میں بھی سستی و کاہلی آجاتی۔ زیادہ کام کی وجہ سے اپنے یاد کردہ اسباق میں سے ایک ورق بھی پڑھنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ شیخ علاوالدولہ سمنانی کی ملازمت مغل ایلخانیوں کے دربار میں ۱۰ سال ۶۷۳ھ سے ۶۸۳ھ تک یعنی اباقا خان کے بعد ارغون خان کی حکومت میں بھی اسی طرح جاری رہی۔ حمد اللہ مستوفی جو کہ شیخ علاوالدولہ سمنانی کا ہم عصر ہیں، لکھتے ہیں کہ ارغون خان کے دور میں ملازمت کرتے تھے یعنی حکومتی امور کی انجام دہی میں وقت گزارتے تھے اسی بات کو دوسروں بالخصوص خواند میر اور دولت شاہ نے دھرایا ہے۔

چہل مجلس کی تحریر، خود شیخ کی تصنیف العروہ اور دیگر شواہد و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ارغون خان سلطان احمد تکودار سے جنگ کے لئے روانہ ہوئے جو کہ قزوین کے نزدیک ۶۸۳ھ میں لڑی گئی۔ شیخ اس وقت ارغون خان کے ہم عصر اور ملازم تھے۔ دوران جنگ اللہ کی جانب سے شیخ کے اندر ایک جذبہ پیدا ہوا اور اچانک حکومتی قبا، کلاہ اور اسلحہ اتار پھینک دیا، صالحین کا خرقہ پہن کر توبہ کیا اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ کم سونے، کم کھانے، کم بولنے اور ہر رات ۱۰ دنوں کی نمازوں کی قضا بجالانے اور قرآن پاک کی ۱۵ آیتیں یاد کرنے کو معمول بنایا۔ اللہ کی عبادت میں بادشاہ کی ملازمت کی کوئی پرواہ نہیں رہی۔ یہاں تک کہ ۶۸۵ھ میں تنگ آکر ارغون خان کی اجازت سے سمنان چلے گئے اور ۲۶ سال حصول علم، تطہیر اخلاق اور طلب سلوک میں منہمک ہو گئے۔ نحو میں زمخشری کی کتاب ''مفصل'' اور ابن حاجب کی کتاب ''کافیہ'' سید انفش نامی عالم سے اور حدیث میں صحیح مسلم اپنے ماموں رکن الدین صاین سمنانی اور رشید الدین بن ابی القاسم سے پڑھی۔

استاد ذبیح اللہ صفا شیخ علاوالدولہ کی زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ہوش سنبھالنے کے بعد شیخ کی زندگی میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ کچھ اس وجہ سے کہ آپ ملازمت پیشہ تھے اور بڑی ذمہ داریوں کے لئے منتخب ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ سیاسی کاموں میں ہی آپ کا وقت گزر جاتا تھا۔ آپ کا شمار ایلخانی دور کے سرفہرست درباریوں میں ہوتا تھا۔ بعد ازاں آہستہ آہستہ اپنے آپ کو عالمانہ اور فقیرانہ زندگی کی طرف مائل کرتے گئے۔

شیخ اپنے احوال کے ذکر میں اس واقعے کے بعد زہد و تہجد سے رغبت اور دنیاوی کاموں سے اعراض کے بارے میں بھی بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت تک آپ خان کی فوج سے وابستہ تھے لیکن ہماری معلومات کے مطابق ۶۸۵ھ کو آپ کسی بیماری کی وجہ سے ارغون خان کی فوج سے سمنان کی طرف روانہ ہو گئے لیکن اب تک رسمی طور پر درباری کاموں سے مستعفی نہیں ہوئے تھے۔

فصیح احمد خوافی بھی فوج سے شیخ علاوالدولہ کے نکلنے اور سمنان روانہ ہونے کے واقعات کے بیان میں یہی سال تحریر کرتے ہیں۔

شیخ علاوالدولہ سمنان واپس لوٹنے کے بعد حصول علم کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ خاص کر فقہ، حدیث اور علوم ادبی کی طرف توجہ دی اس حالت میں بھی سلوک کے مراحل طے کرنے سے غافل نہیں رہے اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کر دیے حقداروں کے حقوق مکمل ادا کیے اور باقی اموال کو وقف کر دیے سمنان کے خانقاہ سکاکیہ کو جو کہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے شیخ حسن سکاکی سمنانی سے منسوب ہے، کی تعمیر و مرمت کی اور اس میں چلے بجالائے۔

اس کے بعد شیخ علاوالدولہ نے نورالدین عبدالرحمن اسفرائنی کی خدمت سے فیضیاب ہونے کے لئے بغداد کا سفر کیا اور ۶۸۷ھ یعنی ۲۸ سال کی عمر میں ایلخان سے اجازت لے کر اپنے مطلوب کی مریدی اختیار کرنے کے لئے بغداد پہنچ گئے اس کے بعد ادائیگی حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے یہ آپ کا پہلا حج تھا اس کے بعد کئی مرتبہ آپ نے حج بیت اللہ ادا کیے یہ تمام باتیں تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں العروہ سلوۃ العاشقین میں بیان کی ہیں۔

شیخ علاوالدولہ نے بہت سے محدثین سے بھی اجازت حاصل کی اور خود محدثین میں شمار ہوئے۔ منتخب المختار کی روایت کے مطابق اس سفر میں جو آپ نے بغداد کی طرف کیا حدیث یاد کرنے میں مشغول رہے اور الدرر الکامنہ کی روایت کے مطابق چند مشہور لوگ جیسے صدر الدین حمویہ، سراج الدین قزوینی اور امام رکن الدین بکری نے آپ سے حدیث اخذ کیا۔

شیخ علاوالدولہ ترک و تجرید میں بھی بہت آگے بڑھے اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا اپنے مال سے شبہہ دور کیا بہت سے املاک کو وقف کر دیے۔ مضبوط دلائل کے ساتھ اپنے بیٹوں، متولیوں کے بیٹوں، قریبی لوگوں اور خدمتگاروں کو اپنے آباء کی جانشینی سے روک لیا تا کہ آپ کے موقوفات میراث میں نہ چلی جائے۔

ابوالحسن بستی کے دوست اور شیخ علی فارمدی کے شاگرد پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے شیخ حسن سکاک سے منسوب خانقاہ سکاکیہ سمنان کو آپ نے دوبارہ تعمیر کیا اور سمنان وصوفی آباد سمنان میں اور خانقاہ بنا ئے اور املاک کو ان پر وقف کیا۔

راہ سلوک پر چلنے کی ابتداء قوت القلوب ابوطالب مکی ۳۸۶ھ، احیاء العلوم غزالی اور دوسرے عارفین کی تحریروں پر بنیاد رکھتے ہوئے کی۔ تاہم ان ریاضات، عبادات اور مختلف مشائخ کی کتابوں سے حاصل شدہ افکار سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کی قسمت کی صبح طلوع ہوئی اور سید شرف الدین علی سمنانی جو شیخ نورالدین عبدالرحمٰن اسفرائنی کے مرید اور بغداد میں مسند ارشاد پر متمکن تھے، سمنان پہنچ گئے اور شیخ علاوالدولہ سمنانی کو نورالدین عبدالرحمٰن اسفرائنی کی زیارت کی آرزو اور بغداد کے سفر کی ترغیب دی۔

علاوالدولہ ارغون خان مغل کی مخالفت کے بعد آخر کار ۶۸۷ھ ۲۶ سال کی عمر میں بغداد چلے گئے اور شیخ کی خدمت کا موقع حاصل کیا اور انہی کے حکم پر حج ادا کیا اور بغداد لوٹ آیا اور اپنے مقصود شیخ عبدالرحمٰن اسفرائنی کی خدمت میں مصروف ہو گئے اور ان کی خانقاہ میں مجاہدت، ریاضت اور کسبِ فیض جاری رکھا اس عارف کی خرقہ کی نسبت دو واسطوں سے شیخ نجم الدین کبریٰ تک پہنچتی ہے۔

اس مشہور عارف کے شرح حال لکھنے والوں اور مصنفین کی وضاحت کے مطابق شیخ علاوالدولہ کا ان کی خدمت اور دورۂ سلوک کا زمانہ ۶۸۹ھ میں مکمل ہو گیا اور آپ نے اسی سال ارشاد وسلوک کی اجازت حاصل کی۔ آپ کے دیوان میں آپ کی یادداشت کے ضمن میں ایک کلام آیا ہے کہ آپ ۶۸۹ھ تک شیخ نورالدین عبدالرحمٰن اسفرائنی کی خدمت میں مشغول تھے۔ مزید برآں اسی مریدی کے زمانے میں یا شاید اس کے بعد کچھ مدت بلاد شام اور دیگر علاقوں کی سیر میں بسر کیے چنانچہ ہم ان کے دیوان میں ایک غزل اس مطلع کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ ؎

ترا جانا سر و سودای ما نیست
ویا از حسن خود پروای ما نیست

اے محبوب! تمہیں ہمارا کوئی لحاظ نہیں یا اپنے حسن کی وجہ سے تم کو ہماری پروا نہیں ہے؟

یہ کلام ۶۹۹ھ میں انہی علاقوں میں لکھنا شروع کیا اور اس کے بعد ۷۱۲ھ میں اس کے باقی حصے کو صوفی آباد سمنان میں مکمل کیا ہے اور یہ تسلیم شدہ ہے کہ آپ کے دیوان میں وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے۔ ؎

ترک قلس وشام گیریم وسوی سمنان شویم
وقت آن آمد کہ دربستان جان مستان شویم

اسی زمانے سے مربوط ہیں۔

بہر حال شیخ علاوالدولہ سمنانی نے خود ایک خط میں جو کمال الدین عبدالرزاق کاشانی کے جواب میں لکھا یہ وضاحت فرمائی ہے کہ ۲۲ سال آپ نے نورالدین عبدالرحمٰن اسفرائنی کی خدمت میں گزارے۔ اگر ایسا ہے تو مجموعی طور پر نورالدین عبدالرحمٰن اسفرائنی کی خدمت میں مریدی اور صحبت کا آغاز سال ۶۸۷ھ سے ہوا ہوگا۔ اور اپنے مرشد کی وفات یعنی ۷۱۷ھ یا ۷۱۹ھ تک جاری رہا ہوگا تاہم یہ وقفے وقفے سے ہے مسلسل اور ہمیشہ نہیں۔ ایسا سوچنے میں کوئی حرج نہیں کہ ۲ سال کی

ابتدائی ریاضات کے بعد اپنے مرشد کی نیابت کرتے ہوئے لوگوں کی تعلیم و ارشاد کے لئے سمنان لوٹ آئے ہوں اور اسی حالت میں کئی بار مراتب راہِ سلوک کی تجدید اور کسبِ فیض کے لئے اپنے شیخ کی خدمت میں گئے ہوں اور وہاں سے حج کے لئے اور وادیٔ قدس و شام کی سیاحت کے لئے گئے ہوں اور پھر اپنے مرکزِ تعلیم و ارشاد کی طرف واپس لوٹ آئے ہوں۔

شیخ علاوالدولہ نے ۱۲ سالوں میں یعنی سال ۷۰۲ھ سے ۷۲۶ھ تک خانقاہ سکاکیہ میں ۱۴۰ اربعین بجا لائے اسی ترتیب سے مجموعی طور پر آپ نے ۲۷۰ اربعین بجالائے جو کہ ۳۰ سال یا ۱۰۸۰۰ دن بنتے ہیں۔ آپ ذکر میں یکسوئی اور خلوص کے لئے کوشاں رہے یہاں تک کہ اعلیٰ روحانی مقام حاصل کرلیا اور صاحب کرامت بنے اپنے زمانے میں مشہور اور بعد میں آنے والوں کے لئے جامع سلاسل بن گئے۔

دنیا کے اطراف سے دل شکستہ اور نامراد مریدین فیض حاصل کرنے کے لئے آپ کی فیض بخشنے والی مجلس سے خوشہ چینی کے لئے صوفی آباد آتے تھے اور فیض کی خاطر سمنان میں آپ کی خدمت میں رہتے تھے۔ ان میں مشہور ترین مندرجۂ ذیل ہیں۔ شیخ تقی الدین علی دوستی سمنانی، شیخ شرف الدین محمود مزدقانی، اخی علی مصری، اخی عبداللہ جبشی، اخی علی رومی، علاوالدین ہندو، محمد مومن آبادی سمنانی، پیر حیدر سمنانی مقیم و مدفون تبریز، عبداللہ گرجستانی، امیر اقبال سیستانی، اخی علی سیستانی، شمس الدین گیلانی، شاہ علی فراہی، شیخ خلیفہ ماژندرانی، عبیداللہ بیدآبادی اور معروف شاعر خواجوی کرمانی۔

اسی طرح بزرگوں، مقام و مرتبہ والوں، بادشاہوں، اپنے زمانے کے مشائخ و عرفا جیسے رشیدالدین فضل اللہ ہمدانی صاحب جامع التواریخ وزیر اعظم غازان خان، امیر چوپان، امیر نوروز اور بڑے بڑے مغل سردار شیخ کی خدمت حاصل کرنے کے لئے صوفی آباد آتے تھے اور آپ سے ملنے کو غنیمت جانتے تھے اور کبھی بڑی محفلوں میں شرکت کے لئے آپ کو عزت و احترام کے ساتھ پایۂ تخت بلاتے تھے۔

مؤلف اعیان العصر جو خود شیخ علاوالدولہ کے ہم عصر تھے، لکھتے ہیں کہ سلطان ابوسعید خود شیخ کی زیارت کے لئے دوڑتے تھے۔

شیخ علاوالدولہ مرد سفر اور مرد حضر دونوں تھے کئی بار بغداد گئے اور ۳ بار حج ادا کیا۔ ایک بار امیر نوروز کی دعوت پر آستان قدس رضوی تشریف لے گئے۔ سلطانیہ محل کی تکمیل کے موقع پر سلطان اولجائتو کی دعوت پر اپنے زمانے کے بزرگوں جیسے شیخ صفی الدین اردبیلی اور علامہ حلی اور آپ وہاں تشریف لے گئے۔ اسی طرح امیر چوپان کے التماس پر اس وقت جب وہ ابوسعید سے ہراسان تھے، ان کے درمیان صلاح کے لئے ۷۲۰ھ میں آپ سلطانیہ تشریف لے گئے۔ ابوسعید نے آپ کی بڑی آؤ بھگت کی لیکن امیر چوپان کے ساتھ مروت سے پیش نہیں آیا۔

دولت شاہ سمرقندی شیخ علاوالدولہ کے مقام کی صفت اور سیر و سلوک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ شیخ جنید بغدادی کے بعد کسی نے طریقت میں آپ کی طرح قدم نہیں رکھا۔ شیخ علاوالدولہ خود اپنے رسالہ مفتاح میں فرماتے ہیں کہ کاغذ کے ہزار تہہ تصوف کی راہ میں ورسم میں سیاہ کیے باپ کی جائداد اور میراث کے ایک لاکھ دینار صوفیوں پر صرف کیا۔

شیخ علاوالدولہ کی عمر کے آخری چند سال صوفی آباد جسے خداداد نام رکھا گیا تھا، کی ایک عمارت جس کو بعد میں برج احرار کہا گیا یا اس خانقاہ میں جس کو آپ نے تعمیر فرمایا، گزر گئے۔ آپ اپنی وفات تک وہیں کتابوں اور رسالوں کی تصنیف و تالیف اور فارسی و عربی اشعار کی تخلیق اور مریدین کی رشد وہدایت میں مصروف رہے اور ان سالوں کے درمیان ایک بار ۷۳۲ھ میں سفر حج کے لئے تشریف لے گئے اور خانۂ خدا کی یہ آخری زیارت تھی۔

ان کے اشعار میں کئی بار اس محلے کا نام آیا ہے جسے خداداد کہا جاتا ہے۔ مثلاً ؎

ای که گفتی که خداداد خداداد وازان
نام او کرد "خداداد" زهی قول سدید

یہاں تک کہ ایک بار آپ نے اپنے مرشد کو ایک غزل میں ملاقات کا شوق ظاہر کرتے ہوئے بطور کنایہ اس جگہ آنے کی دعوت دی ہے۔

هر نسیمی که بمن نفخهٔ بغداد آرد
از دم عیسوی ای جان دل من یاد آرد
بردل وجان تو ابواب فرح بگشاند
ناگهان محمل تو سوی خداداد آرد

صوفی آباد بہ رج احرار میں شیخ علاوالدولہ کی وفات کی تاریخ شب جمعہ ۲۲ رجب ۷۳۶ھ لکھی ہوئی ہے۔ دولت شاہ نے اسی تاریخ کے مطابق آپ کی عمر ۷۷ سال ۲ ماہ اور ۴ روز لکھا ہے۔ آپ کی جسد خاکی کو عماد الدین عبدالوہاب جو کہ صوبہ کومش کے مشہور سخی اور بزرگ آدمی تھے اور شیخ علاوالدولہ کو ان سے ارادت تھی ان کے آرام گاہ میں دفن کر دیا گیا۔ جملہ، جای اوبادا بہشت ۷۳۶ھ مادہ تاریخ وفات اور کلمہ عابد ۷۷ سے آپ کی عمر کی نشاندہی کرتی ہے۔

فصیح خوافی اور دولت شاہ سمرقندی اور معصوم علی شاہ شیرازی نے مندرجہ ذیل قطعے کو شیخ علاوالدولہ سمنانی کی تاریخ وفات کے بیان میں درج کیا ہے لیکن شاعر کا نام نہیں لکھا۔

تاریخ وفات شیخ اعظم	سلطان محققان عالم
قطب الحق ودین علا الدوله	برمسند خود نشست خرم
بیست ودوم ماه رجب بود	اندر شب جمعه مکرم
از هجرت خاتم النبیین	هفتصدبگذشت وسی وشش هم
بربوی وصال دوست جان داد	صدجان جهان فدای آن دم

ہفت اقلیم میں امین احمد رازی نے لکھا ہے کہ: بیان کرتے ہیں کہ آخری ایام میں آپ نے خواب دیکھا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے تمام اعمال آپ پر ظاہر کر دیے گئے۔ مظلوم کی مدد جو آپ نے دوران وزارت کی تھی وہ تمام اعمال پر غلبہ پا چکی تھی۔ لہذا آپ نے فرمایا کہ اعمال وخیرات میں سے کوئی بھی بے چارے کی امداد اور معاونت کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔

شیخ علاوالدولہ کے اعتقادات ونظریات:

شیخ علاء الدولہ کی کتابوں جیسے مطلع النقط ومجمع اللقط، سر البال فی اطوار سلوک الحال، سلوة العاشقین، مشارع ابواب القدس، العروة لاہل الخلوة والجلوة اور چہل مجلس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ تصوف میں اعتدال کے قائل تھے۔ احکام دین اور اصول تصوف کو ایک دوسرے کے ساتھ سختی سے ہم آہنگ کرنے کی طرف متوجہ تھے۔ وحدت وجود کے ماننے والوں بالخصوص ابن عربی کے ساتھ سختی سے پیش آتے اور اس طرح کے اعتقاد کو کفر اور گمراہی شمار کرتے تھے۔ جب شیخ علاوالدولہ اور کمال الدین عبدالرزاق کاشانی کے درمیان اسی بحث میں خط وکتابت ہوئی ہیں

۔

جب شیخ علاوالدولہ نے کاشانی کے اعتقاد ''حق وجود مطلق ہے'' کے بارے میں سنا تو ان کی تکفیر کے لئے زبان کھولی۔ شیخ عبدالرزاق نے اپنے اعتقاد کے حوالے سے شیخ علاوالدولہ کے تعصب اور سخت گیری پر ایک خط کے ذریعے ملامت کی تو شیخ علاوالدولہ نے اس کے جواب میں کاشانی کے باتوں کی سختی سے تردید کرتے ہوئے اس بات کو ہذیان قرار دیا اور اس خطرناک بھنور سے نکلنے کے لئے توبہ وانابت کی دعوت دی اور کہا کہ دھری اور طبیعی لوگ بھی اس بات کو عار جانتے ہیں۔

شیخ علاوالدولہ سلسلۂ ذہبیہ کبرویہ سے منسلک اور فقہ میں شافعی مذہب کے پیروکار تھے جو کہ اسلام کے دیگر مذاہب میں اہل تشیع سے قریب ترین مذہب ہے اسی لئے محمد علی مدرس ریحانۃ الادب میں لکھتے ہیں کہ:

''شیخ علاوالدولہ کے بعض کلمات سے تشیع ظاہر ہوتا ہے۔''

خود شیخ علاوالدولہ نے بھی چہل مجلس میں امام جعفر صادقؑ کے قول سے استناد کیا ہے۔

آپ عالی نفسی، سخاوت، نیکوکاری، بیان کی عمدگی اور حسن اعتقاد کی بدولت اپنے زمانے میں بے مثال تھے کئی واقعات ایسے بیان کیے جاتے ہیں جن سے آپ کی پاکبازی ظاہر ہوتی ہے۔

(جاری ہے----)

سیرت

حضرت فاطمۃ الزہراؑ

تحریر: غلام حسین سرموی، کراچی

حضرت سیدہ کا اسم گرامی فاطمہ یعنی آتش دوزخ سے نجات دلانے والی ہیں۔ جو اللہ رب العزت نے خود انتخاب فرمایا۔ آپؑ کی ولادت باسعادت بیس جمادی الثانی ۵ سنہ بعثت نبویؐ کو ہوئی۔ رسول پاک کا فرمان ہے: اَلْفَاطِمَۃُ بِضْعَۃُ مِنِّی ’’کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ آپؑ کے مشہور و معروف القاب سیدہ، زہرا، بتول، طیبہ، طاہرہ، اور صدیقہ ہیں۔ آپؑ رضیہ اور مرضیہ بھی ہیں، زہرا بھی، نیرہ و منورہ بھی، مطہرہ و عتیقہ بھی، صدیقہ بھی، عفیفہ بھی، فیضہ بھی، عالمہ بھی، فاصلہ بھی، عابدہ و زاہدہ بھی، ساجدہ و راکعہ بھی، کاملہ و اکملہ بھی، عقیلہ و عاقلہ بھی، آمینہ و آمنہ بھی، صابرہ و شاکرہ بھی، سعیدہ و صادقہ بھی، راحمہ و راشدہ بھی، معصومہ و مخدومہ بھی، صائمہ و عاصمہ بھی، شفیقہ و مشفقہ بھی، عظیمہ و اعظمہ بھی، محترمہ بھی مکرمہ بھی، عالمہ و معلمہ بھی، ہاشمیہ بھی قرشیہ بھی۔ جس کی تعریف کا حق نہ کوئی ادا کر سکا ہے اور نہ ہی قیامت تک ادا کر سکتا ہے جس کی تعریف اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں جا بجا فرمائی ہے۔ آیۂ تطہیر آپؑ کی شان میں نازل ہوئی:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ○ (سورہ الاحزاب ۳۳)

ترجمہ: اے نبیؐ کے گھر والو بے شک اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر آلودگی دور کر کے تمہیں خوب پاکیزہ کر دے۔

آیت تطہیر حضرت ام سلمہؓ ام المومنین کے گھر نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبائے یمنی میں آرام فرما رہے تھے، مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام تشریف لائے آپؐ نے مولا علیؑ کو عبائے یمنی میں آنے کی اجازت دی پھر حضرت فاطمۃ الزہراؑ تشریف لائے پھر یکے بعد دیگرے حسنین کریمینؑ تشریف لائے۔ سب کو کملی میں چھپا لیا اور رب العزت کے بارگاہ میں دعا کی:

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِیْ فَاذْھَبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا ○ یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان سے ہر آلودگی دور فرما کر خوب پاکیزہ فرما دے۔

جب آیۂ مباہلہ نازل ہوئی تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کو بلا کر فرمایا یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَ نَا وَاَبْنَاءَ کُمْ وَنِسَاءَ نَا وَنِسَاءَ کُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَھِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَۃَ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ۔

ترجمہ: محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں فرما دیجیے کہ ہم تم کو بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر لعنت کریں۔

آیۂ مباہلہ میں ابناء نا سے مراد امام حسنؑ اور سید الشہداء، نساء نا سے مراد سیدہ پاک ہے اور انفسنا سے مراد علی مرتضےٰؑ ہیں۔ چاروں نفوس قدسیہ کو ساتھ لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ و

آلہ وسلم آگے آگے جا رہے تھے۔امام عالی مقام نے گود میں اٹھایا ہوا تھا۔امام حسن انگلی پکڑ کر نانا کے ساتھ جا رہے تھے، جناب زہراؑ آپؐ کے پیچھے، سب سے پیچھے علی المرتضیٰ حیدر کرارؑ آرہے تھے۔ جناب سیدہ کے جوتوں کے دھول کے صدقے اور ان کی پردے کا یہ حال جناب زہراؑ کے قدم کے نقش پر اپنے پاؤں رکھتے تھے، تاکہ نقش پاؤں نہ نظر آئے، نہ زمین دیکھے نہ آسمان دیکھ سکے۔ جب یہ نورانی قافلہ دور سے آتا دیکھا تو نصرانی گروہ کا سردار یہ کہتے ہوئے اگر ان ہستیوں نے بد دعا کی تو قیامت تک عیسائیوں کا نام بھی زمین پر باقی نہیں رہے گا، بھاگ نکلا۔

ان کا لقب زہرا ہے۔زہرا کلی کو بھی کہتے ہیں اور ضیاء کو بھی۔ رسول معظمؐ فرماتے تھے میری بیٹی سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔اب جنت کی اس کلی کو سونگھا کرتے تھے۔ (حدیث شریف)

جنگ بدر کے بعد آپؑ کا عقد مولائے کائنات علی ابن ابی طالبؑ سے ہوا۔آپؑ کی شادی میں ستر ہزار فرشتوں کا حفاظتی دستہ ناقہؑ زہرا کے پاؤں کی دھول چومتا جا رہا تھا۔ اور جنت کی حوریں راستے میں اپنی عفت کی چادریں بچھاتی جاتی تھیں۔آپؑ حضرت مریمؑ کے بعد واحد خاتون ہیں کہ حسنین کریمین کی چھ ماہ بعد ولادت ہوئی۔ چند قریشی خواتین جو بااثر تھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور جناب زہراؑ کی شادی میں آنے کی دعوت دی۔ جناب رسالت مآب نے دعوت قبول کیا اور سیدہ زہرا سے ارادہ پوچھا تو مادر حسنین نے محترم ابا کا کیسے ٹال سکیں مان گئیں۔قریشی امیر زادیوں کا ارادہ سیدہ کی غربت اور سرکار دو عالم کا مذاق اڑانا تھا۔لیکن خود مذاق بن کر رہ گئیں۔ جناب سیدہ نے دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ رب العزت سے دعا کی اے رب کریم تو اپنی نبی کا بھرم رکھنا، آخر سیدہ زہراؑ نے ہاتھ اٹھائے کیسے قبول نہ ہوتی فوراً جبرائیلؑ نازل ہوئے اور حاضر خدمت ہوئے اور اللہ کی طرف سے سلام پیش کرنے کے بعد عرض کیا، یا رسول اللہ خدا فرماتا ہے، سیدہ طاہرہ سے کہہ دو قریش کی امیر زادیوں کی مجلس میں جاتے ہوئے اپنی پھٹی پرانی چادروں پر پریشان نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا پوشاک پیش کیا۔شہزادی کونین نے گلیم مقر جسم پر لپیٹی، چادر تطہیر سر پر رکھی، لباس شرم وحیا زیب تن کیا، سوئے خانہ شادی روانہ ہوگئی۔اچانک ان کے کانوں میں آواز آئی تعظیم و تکریم کے لیے کھڑی ہو جاؤ۔اس لیے کہ خدائے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی تشریف لا رہے ہیں۔قریش کی امیر زادیاں کھڑی ہو گئیں۔انہوں نے دیکھا سیدہ پاکؑ حسن و جمال باطنی سے خانہ شادی کی در و دیوار روشن کرتی ہوئی اس شان سے جلوہ افروز ہو رہی ہیں۔سینکڑوں کنیز ان پاک دامن ارد گرد ساتھ آ رہی ہیں۔کوئی چادر تطہیر دامن عفت اٹھائے ہوئے ہے، کوئی قدم کے نشان کو بوسے دے رہی ہے، کوئی پنکھا جھولتی آ رہی ہے۔ پس پھر کیا شان زہراؑ کی ہیبت و جلال اور حسن و جمال دیکھ کر زنان قریش کی آنکھیں شرم سے جھک گئیں، کسی میں تاب نظارہ نہ رہی، سب کے زبان پر سبحان اللہ جاری ہوا۔

آپؑ کا وصال سید المرسلینؐ کے وفات کے چھ ماہ بعد ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپؑ بہت روتی تھیں۔آپؑ کو روتا دیکھ کر آسمان کے فرشتے جن و بشر، حور و غلمان بھی روتے تھے۔آپؑ نے وصال سے پہلے حسنین کریمین کو نہلایا، حضرت علیؑ کو وصیت کی اور حضرت زینبؑ کو بھائیوں کا خیال رکھنے کا کہا اور رات کو ہی جنازہ لے جانے اور دفنانے کی وصیت کی۔تاکہ کوئی غیر محرم آپؑ کی جنازہ کو بھی نہ دیکھ سکے۔

دعا ہے اللہ پاک ہم سب کو خصوصاً ہمارے خواتین، ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو سیرت حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا پر عمل کرنے اور ان کی نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔آمین!

☆☆☆☆☆

تحقیقات

میر سید محمد نوربخشؒ تاریخی پس منظر میں

پروفیسر ذاکر حسین ذاکر

تاریخ عالم میں وہ شخصیات جو علمی اور روحانی اعتبار سے عام انسانوں کی سطح سے بہت بلند ہوں۔ان کی حمایت اور مخالفت بھی انتہائی نوعیت کی ہوتی ہے۔خصوصاً جب وہ اپنے دور کے عام فکری رویوں سے ہٹ کر کوئی بڑی بات کر دیں تو ممکنہ طور پر افراط یا تفریط کی صورت میں ان کی شخصیت اور ذات کے ساتھ ناانصافی کا امکان رہتا ہے۔تاریخ فلسفہ میں سقراط، تاریخ ائمہ اسلام میں حضرت علی ابن ابو طالبؑ، تاریخ سائنس میں گلیلو، تاریخ تصوف میں منصور حسین حلاجؒ، عین القضاۃ ہمدانیؒ اور ابن عربیؒ ایسی ہی مثالیں ہیں۔ایسی ہی ایک مثال حضرت میر سید محمد نوربخشؒ کی شخصیت ہے۔جن کی حمایت اور مخالفت دونوں، انتہاؤں کو چھوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔میر سید محمد نوربخشؒ کی تعلیمات اور شخصیت کے کسی بھی پہلو پر گفتگو کے لیے پہلے اُس دور کے تاریخی پس منظر کو ذہن میں رکھنا ہوگا تاکہ واقعات اور حقائق کو اسی حوالے سے دیکھا جائے۔

تیرہویں اور چودہویں صدی عیسوی میں عالم اسلام پر صلیبیوں اور منگولوں کے حملوں اور سقوط بغداد کے جان فرسا واقعات سے تاریخ کا طالب علم ضرور آشنا ہوگا جب سروں کے مینار بنائے گئے، لاشوں سے فصیل بنائی گئی، مرکز اسلام میں موجود تقریباً تمام لائبریریاں جلا دی گئیں، تعلیمی ادارے مسمار ہوئے۔غرض کہ عالم اسلام تباہی کے ایک ناقابل تصور صورتحال سے دوچار ہوا۔اور ان تمام تر تباہیوں کی بنیادی وجہ ظالم حملہ آوروں کی طاقت سے زیادہ مسلم امہ کا اندرونی خلفشار تھی۔

جب منگولوں نے حملہ کیا تو اس وقت دنیائے اسلام کے فقہی مسالک اندرونی طور پر انتہا درجے کی فرقہ وارانہ منافرت اور فروعی اختلافات کے شکار تھے۔حد یہ کہ علماء اور فقہا جو فرقہ وارانہ اختلافات پر نہ صرف آپس میں لڑتے تھے بلکہ ایسی مثالیں بھی ہیں کہ جب موقع ملا تو منگولوں اور صلیبیوں کو اپنے مخالفین پر حملوں کی دعوت دیتے تھے۔ایسی صورتحال میں دشمن ان کے مخالفین سے نمٹنے کے بعد جن لوگوں نے دعوت دی خود انہیں بھی نہیں بخشتے تھے۔کہا جاتا ہے کہ سقوط بغداد کے وقت ایک معمولی سی بات پر کئی دنوں سے دو فرقوں کے درمیان زبردست مناظرہ چل رہا تھا۔اس فرقہ واریت اور آپس کی منافرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر فرقے کے جید علماء اور فقہا کو نشانہ بنایا گیا (اکثر مخالف فرقے کی نشاندہی پر)۔ایسے میں اسلامی تعلیمات، عبادات، اور ریاضات کی روش کو صوفیاء نے محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔چونکہ صوفیائے کرام براہ راست کسی بھی قسم کی فتویٰ بازی اور فرقہ وارانہ مناظرے میں شامل نہیں ہوتے تھے، لہٰذا یہ طبقہ کسی حد تک فرقہ واریت کی آفتوں سے بچا رہا۔سقوط بغداد اور صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے علمی اثاثے کو خصوصاً نشانہ بنایا گیا اور تمام اہم لائبریریاں جلا دیں جن میں مجموعی طور پر ہزاروں اور لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کتابیں تلف ہوئیں۔بقول ڈاکٹر غلام جیلانی برق منگولوں/ تاتاریوں اور صلیبیوں کے ہاتھوں تلف ہونے والی کتابوں کی کل تعداد تین کروڑ کے لگ بھگ تھی۔اُس دور میں جب کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھی، اتنی تعداد میں کتابوں کی موجودگی اور پھر ان کا ضیاع ناقابل

ختلانی علیہ تھا۔

ان تباہ کاریوں کے بعد جب فضا ٹھنڈی ہو گئی اور جب انتقام کی آگ نے تمام فرقہ وارنہ فریقوں کے گھر یکساں طور پہ جلادیے تو ہوش آیا اور محسوس ہوا کہ بہت کچھ کھو چکے ہیں بلکہ کچھ بچا ہی نہیں۔نتیجتاً عالم اسلام میں ایک عجیب قسم کا انتشار، مایوی اور غیر یقینی کیفیت کا دور دورہ ہوگیا۔

ایسے میں چودہویں اور پندرہویں صدی عیسوی میں میر سید علی ہمدانیؒ (1314 تا 1386) اور ان کے بعد آپ کے خلیفہ میر سید محمد نوربخشؒ (1392 تا 1464) نے عالم اسلام کو اس مایوس کن ماحول اور فرقہ وارانہ منافرتوں سے نجات دلانے کے ساتھ ساتھ اُس تباہ شدہ علمی سرمایے کی بنیادی اثاثوں کی کسی حد تک بحالی کا بیڑا اٹھایا۔اور دونوں بزرگوں نے اخلاقیات، اسلامی فقہ، عقائد، سیاسیات، علم کلام اور تصوف وعرفانیات پر متعدد کتابیں لکھ کر اس علمی تعمیر نو کی بنیاد رکھی۔ دونوں صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔میر سید علی ہمدانی کے آثار (منثور و منظوم کتابیں/رسائل) ایک سو دس (110) سے زائد ہیں۔اسی طرح سید محمد نوربخشؒ کی مشہور اور دستیاب تصنیفات کی تعداد تیس کے لگ بھگ ہے۔جن میں کتاب فقہ الاحوط، اصول اعتقادیہ، مکارم اخلاق، معراجیہ، نوریہ، معاش السالکین، کشف الحقائق وغیرہ جیسی بیس سے زائد نثری کتب کے علاوہ کئی منظوم آثار اور مخطوطات شامل ہیں۔ اس تاریخی پس منظر میں الفقہ الاحوط کی وجہ تالیف بھی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔

اس مضمون میں ہم صرف نوربخشؒ کی تحریک کے حوالے سے چند تعارفی کلمات درج کریں گے۔ یہاں اُس منفرد تاریخی واقعے کا بھی تذکرہ کرنا مناسب ہوگا کہ تاریخ تصوف میں پہلی اور شاید آخری بار مرشد نے خود اپنے مرید کی ہاتھ پہ بیعت کی اور انہیں اپنا مرشد تسلیم کرلیا۔حضرت خواجہ اسحاق ختلانیؒ میر سید علی ہمدانیؒ کے داماد، شاگرد اور خلیفہ تھے اور بطور خرقۂ خلافت سید علی ہمدانیؒ نے آپ کو اپنا دستار مبارک عطا کیا تھا۔سید محمد نوربخشؒ خواجہ اسحٰقؒ کے مرید تھے۔لیکن بعد میں سید کے روحانی کمالات دیکھ کر خواجہ اسحاقؒ نے کشفی اشارے کے مطابق آپ کو نوربخشؒ کا لقب دیا اور نہ صرف آپ کو اپنا خلیفہ بنایا بلکہ آپ کے ہاتھ پہ خود بیعت کر کے سید علی ہمدانیؒ کا عطا کردہ خرقہ (سیاہ عمامہ) اپنی زندگی میں نوربخشؒ کو عطا کردیا، یوں نوربخشؒ سید علی ہمدانیؒ کے بلاواسطہ خلیفہ بھی قرار پائے۔ یہ وہی خرقے کا عمامہ تھا جس کا زیب تن کرنا مرزا شاہ رخ تیموری کا نوربخشؒ سے عناد کی وجوہات میں سے ایک تھا۔کیونکہ یہ سید علی ہمدانیؒ کی نشانی تھی اور آپؒ اپنے دور میں مرزا شاہ رخ کے باپ تیمور لنگ کے سب سے بڑے مخالف تھے، جس نے آپؒ کو ملک بدر کردیا تھا۔

مذکورہ بالا تاریخی پس منظر میں میر سید محمد نوربخشؒ کے دل و دماغ پر اسلام میں فرقہ واریت اور مسلمان فرقوں کے آپس کی منافرتوں اور اس کے بھیانک نتائج کے گہرے اثرات مرتب ہو چکے تھے اور بطور ایک داعی، مبلغ، مجدد، مصلح، فقیہ، مرشد، عالم صمدانی اور حکیم روحانی کے آپ اپنی دینی اور روحانی ذمہ داریوں سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔اسی احساس ذمہ داری کے پیش نظر آپ نے ”رفع البدع والاختلاف“ کو اپنی زندگی کا مدعا بنایا اور اسی مقصد کیلئے تحریک شروع کردی۔آپ کی تحریک کا مدعا خود آپ کے الفاظ میں امت مسلمہ کے مابین اختلافات اور اس میں رواج پا جانے والی بدعتوں کو رفع کرنا تھا۔فرقہ وارانہ انتہا پسندیوں کے خلاف اس تحریک کا مرکزی نکتہ بقول آپ اور آپ کے خلفاء کے افراط و تفریط (یعنی انتہا پسندیوں سے دور) درمیانی راستے یعنی ”راہِ وسط“ کو اپنانا ہے۔خصوصاً آدابِ عبادت میں بہت لچک موجود ہے۔کسی عمل کو ادا کرنے کیلئے اس کی عملی طور طریقوں یا رسمی پہلو سے زیادہ اصل ہدف اور مدعائے منتہی کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔یوں سادہ اور عمومی فقہی مسائل جیسے وضو اور نماز میں آپ نے تسنن اور تشیع دونوں فقہی مسالک کے مابین کئی اختلافی طریقوں کو اصولی طور پہ درست قرار دیا ہے۔مثلاً وضو میں پاؤں کا مسح کرنا اور دھونا، منہ دھوتے وقت ایک ہاتھ سے، دونوں ہاتھوں سے یا پانی انڈیل کر کسی بھی طریقے سے دھونا، کہنیوں تک ہاتھ دھونے کیلئے کہنیوں سے انگلیوں

تک، یا انگلیوں سے کہنیوں تک یا پانی میں ڈبو کر دھونا سبھی درست صورتیں ہیں۔ دوران نماز قیام میں ہاتھ کھول کر رکھنا اور باندھنا دونوں صورتیں جائز قرار دی ہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ آپ کس طریقے کو بارگاہ ایزدی میں حاضری کے لیے زیادہ با ادب سمجھتے ہیں، ہاتھوں کی وہ پوزیشن ٹھیک ہے۔ دونوں طریقوں کا رسول کریم کی سنت ہونا ثابت ہے۔ اسی طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی شرعی ذمہ داری کا اصل ہدف یوں بیان فرماتے ہیں کہ اس کا مدعا "تعظیم امر اللّٰہ و شفقت علی خلق اللّٰہ" یعنی احکامات خداوندی کی تعظیم اور خلق خدا پر شفقت کے سوا کچھ نہیں۔ یوں کسی بھی عمل کی انداز ادائیگی سے زیادہ اس کے مدعا، یا ہدف (aims and objectives) کو زیادہ اہمیت دی جس سے فرقہ وارانہ اختلافات کو بہت حد تک کم کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اہداف تو کم وبیش تمام مسالک کے ایک جیسے ہیں۔

اس طرح فروعی احکامات اور عبادات کے معاملات میں انتہا پسندی کی مخالفت، دینی اعمال وعبادات کی ظاہری طور طریقوں سے زیادہ باطنی نیت اور خلوص فی العمل پر زور دینا، جابر حکمرانوں، درباری ملاؤں اور عرفان مخالف فقہا پر کھلی تنقید، جیسی وجوہات کی بنا پر ان تمام حلقوں کی جانب سے آپ کی مخالفت میں اضافہ ہوا۔ درباری ملا وہ علماء ہیں جو حق سے قطع نظر ہمیشہ حکومت وقت کی بولی بولتے ہیں اور عرفان مخالف فقہا ایسے فقہا ہیں جو اپنے علمی موشگافیوں سے بال کی کھال اتار کر فروعی باتوں پر دوسروں کو دین سے خارج ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ عبادات کی اصل روح، ہدف اور فلسفے کو تسلیم نہیں کرتے۔

چونکہ آپ ایک گوشہ نشین صوفی تو تھے نہیں، بلکہ ایک معاشرتی مصلح اور مجدد بھی تھے جو سیاست (حکمرانی کے اندر) سمیت انسانی معاشرے کے ہر پہلو پر گہری اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے اس لیے عقائد میں اختلاف کے علاوہ سیاسی اختلافات کی بنا پر بھی حکمرانوں کے عتاب کا سامنا رہا۔ اور بیس سال تک قید و بند، جلا وطنی اور محدود آزادی کی زندگی گزاری جس میں بارہ سے چودہ سال تک قید شامل ہے۔

ان تمام دشواریوں کے باوجود میر سید محمد نوربخشؒ نے تاریخی احساسِ شکستگی اور نفسیاتی پژمردگی سے دوچار امت کے اندر مسلمانوں کے حوصلے morale کو بلند کرنے، ان کی خوابیدہ غیرت ایمانی کو جگانے اور انہیں ایک بار پھر روحانی بلندیوں کے ساتھ علم وعمل اور دنیاوی امور میں بھی فتح مندی اور کامرانی کی راہ دکھانے کا عزم کیا۔ انسان کامل کا تصور، اسلامی اقدار اور اخلاق کے مطابق حکمرانی اور سیاست کو سنت انبیا قرار دینا، انفس وآفاق کی عمیق ترین گہرائیوں اور ان میں پوشیدہ رازوں کی طرف ان کی توجہ مبذول کرنے کے لیے ان عنوانات پر علمی مباحث۔ نیز زمان ومکان اور عوالم بالا (ملکوت، لاہوت، جبروت) کے بہت سے اسرار ورموز سے دنیا کو آگاہ کرنا امید مرد مؤمن کو بیدار کرنے کی کوششیں تھیں۔ بقول اقبالؒ ۔

نہ ہو نومید، نومیدی زوال علم وعرفان ہے
امید مرد مؤمن ہے خدا کے راز دانوں میں

جہاں ایک طرف مخالفین کی مخالفتیں اور دشمنیاں بہت تھیں تو دوسری طرف آپ کی کرشماتی اور ہمہ جہت شخصیت، علم لدنی اور اعلیٰ پائے کی روحانیت کی وجہ سے عقیدت مندوں کی عقیدت بھی انتہا کی تھی۔ جس کا اظہار آپ کے مریدین اور عقیدت مندوں کی آپ کے شان میں لکھے گئے قصائد سے ہوتا ہے۔ ان میں سے چند ایک آپ کو، مجتہد، مرشد اور مجدد کے علاوہ امام ہمام، مہدی، اور ہادیٔ کے القابات سے بھی یاد کرتے تھے۔ مہدی دوران (یعنی اپنے زمانے کا ہدایت کرنے والا) اور مہدی موعود (یعنی وعدہ کیا ہوا مہدی) کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ ان اصطلاحات کی بنا پر آپ کے مخالفین نے آپ پر یہ الزام لگایا کہ نوربخشؒ نے مہدی آخر زمانؑ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ذیل میں ہم چند شواہد اور دلائل پیش کر رہے ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ آپ نے مہدی آخر زمان کا دعویٰ نہیں کیا۔ مرزا شاہ رخ تیموری کے نام خط کے اختتام پر آپ نے اپنے آپ کو نائب امام آخر زمان لکھا ہے: ''من که محمد نوربخشم نائب امام آخر الزمان و

مهدی موعودم" (ترجمہ) میں ہوں محمد نوربخش، امام آخرزمان اور مہدی موعود کا نائب۔

یہ خط (خلاصتاً) میر سید محمد نوربخشؒ کے آستانے کی دیوار پر واضح انداز میں بطور کتبہ مندرج ہے۔ راقم نے خود آستان نوربخشؒ کی زیارت کے دوران اس کتبے کا ڈیجیٹل فوٹو اتارا ہے اور محفوظ ہے۔ تمام زائرین اس خط کو پڑھ سکتے ہیں۔ یہ خط نوربخشی عقائد کا آئینہ دار ہے جس میں آیت قرآنی اور احادیث کی روشنی میں محبت اہلبیت کو وسیلہ نجات قرار دیا ہے۔ تہران سے شائع شدہ آپ کی مکتوبات کے مجموعے میں بھی لفظ نائب موجود ہے۔ اس خط کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب میر سید محمد نوربخشؒ نے یہ خط لکھا تو مرزا شاہرخ کے درباریوں نے اس خط میں سے لفظ نائب ہٹا کر اس کی کاپیاں فراہم کیں تاکہ آپ پر دعوائی امام آخرزمان کا الزام لگائیں اور یوں لوگوں کو آپ سے بدظن کیا جاسکے۔ میں نے ایران سے حوزہ علمیہ کے ایک طالب علم اور دیگر اہل علم سے بھی یہی روایت سنی ہے اس کا تذکرہ دیگر علماء نے اپنی تحریروں میں بھی کیا ہے۔

کتاب اصول عقائد، اصول دین اور عقائد پر نوربخشؒ کی سب سے اہم اور بنیادی کتاب ہے جس کے بہت سے قدیم قلمی نسخے دستیاب ہیں اور نوربخشیوں میں ایک مستند حوالہ ہے۔ اس کتاب میں دو جگہوں پر واضح عبارات سے اس الزام کی نفی ہوتی ہے کہ نوربخشؒ نے مہدی آخرزمان ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ عقیدہ ولایت کے بحث میں آپ فرماتے ہیں: "والدهم عليّ و خاتمهم مهديّ ويجب الايمان بالاولياء فی الطريقة كما يجب الايمان بالانبياء فی الشريعة۔" ترجمہ: آدم الاولیاء حضرت علیؑ ہیں اور خاتم الاولیاء حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام ہیں۔ ان اولیاء پر ایمان رکھنا طریقت میں اسی طرح واجب ہے جس طرح شریعت میں انبیاء پر ایمان رکھنا واجب ہے۔

یہاں پر یہ بات یاد رہے کہ تصوف میں خصوصاً نوربخشی عرفانیات میں حضرت امام آخرزمان حضرت امام مہدیؑ کو خاتم الولایۃ کہتے ہیں، یعنی ولایت کا مہر یا خاتمہ جس طرح حضرت محمدؐ خاتم النبوۃ ہیں، اسی طرح مہدیؑ خاتم الولایۃ ہیں۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ نوربخشؒ کے عقیدے کے مطابق یعنی مہدی آخرزمان پر بطور خاتم الولایۃ ایمان رکھنا واجب ہے۔ اسی طرح عقیدہ امامت میں فرماتے ہیں: فتامل و اعرف الائمة الماضين و الباقين و فز فوزاً عظيما۔

ترجمہ: پس تو سوچ بچار کر گزشتہ ائمہ کرام اور باقی آنے والے کی اچھی طرح سے پہچان کر اور یوں بڑی کامرانی سے ہمکنار ہوجا۔

یہاں پر یہ بات واضح ہے کہ آنے والے امام کو پہچانا جائے اور کامیابی کا راز اسی میں ہے۔ اگر نوربخشؒ خود مہدیؑ آخرزمانی کے دعویدار ہوتے تو آنے والے امام کی معرفت حاصل کرنے کے لیے اپنے پیروکاروں کو کیوں نصیحت کرتے۔ اپنی غزلیات میں ایک جگہ نوربخشؒ فرماتے ہیں۔

ماءم چو خاتم الولایۃ
ہم مہدی و ہادی و ہدایۃ

ترجمہ: میں خاتم الولایۃ (حضرت امام مہدیؑ) کی مانند ہوں، ہدایت یافتہ اور دوسروں کو ہدایت کرنے والا۔

نوربخشی عملیات کی مستند کتاب دعوات صوفیہ جو نوربخشؒ کے نورچشم اور خلیفہ حضرت شاہ قاسم فیض بخشؒ کی تالیف ہے اس میں اوراد خمسہ کے بعد انتہائی یکسوئی اور خلوص سے دعائے تشفیع پڑھنے کی ہدایت ہے۔ اس دعا میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور چودہ معصومین کے اسمائے گرامی اور ان کی ایک خاص صفت کو واسطہ دے کر دعا کی جاتی ہے۔ اس دعا میں حضرت امام حسن العسکریؑ کے بعد وسیلہ دعا کا جملہ کچھ یوں ہے:

و بقائم آل محمد ن المهدی عليهم السلام و اجازته۔

ترجمہ: اور قائم آل محمد حضرت امام مہدی علیہم السلام اور آپ کی اجازت کا واسطہ۔ یہاں پر لفظ "قائم آل محمدؐ" خاص معنی رکھتی ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں آل محمدؐ میں سے زندہ اور موجود مہدیؑ جو قیام کریں گے۔

بلتستان کو نوربخشی تعلیمات کی محفوظ پناہ گاہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ کشمیر، ایران، ماوراء النہر، اور وسط ایشیائی ریاستوں میں دیگر فقہی مسالک اور چند مقامات (جیسے وسط ایشائی ریاستوں) پر غیر مسلم حکومتوں اور تسلط کی وجہ سے بطور فقہی مکتب کما حقہ اسے پنپنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ تاہم بطور سلسلہ تصوف آج بھی ان خطوں میں نوربخشی موجود ہیں۔ مثلاً ایران میں موجود نوربخشی جو فروعی اعمال اور آداب میں شیعہ طور طریقوں سے قریب تر ہیں، میر سید محمد نوربخشؒ کو بلتستان میں موجود نوربخشیوں کی طرح سلسلہ نوربخشیہ کے بانی اور قطب الاقطاب مانتے ہیں۔ اگر کہیں مہدی آخر زمان ہونے کا دعویٰ ثابت ہوتا تو ایسا ممکن نہیں تھا۔ بلتستان میں کم وبیش آپ کی تمام تصنیفات اور آثار کے قلمی نسخے بازیافت ہو چکے ہیں لیکن ان میں سے کسی میں مہدی آخر زمانی کا دعویٰ نہیں۔ پروفیسر شہزاد بشیر کے مطابق رسالۃ الھدیٰ نامی کتاب میں مہدویت کا دعویٰ اور دلائل موجود ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ بلتستان سے بازیافت شدہ نسخوں میں سے اس رسالے کا کوئی قلمی نسخہ یا کسی نسخے میں اس کا حوالہ (کم از کم میری معلومات کے مطابق) نہیں۔ جبکہ دیگر مستند کتابوں جیسے الفقۃ الاحوط، کتاب الاعتقادیہ، انسان نامہ وغیرہ کے متعدد قلمی نسخے دریافت ہو چکے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ اس رسالے پر عمیق تحقیق کی ضرورت ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس کتاب کا اصل مصنف کون ہے اور کس پس منظر میں یہ کتاب لکھی گئی؟ شہزاد بشیر صاحب کو دستیاب نسخے کا قلمی متن کس کی تحریر ہے؟ کیا کاتب خود بھی نوربخشی تھا؟ کیا اس کاتب نے نوربخش کی کسی اور کتاب یا رسالے کی بھی کتابت کی ہے یا یہ واحد نسخہ ہے؟ کیا نوربخشؒ کے کسی خلیفہ جیسے اسیری لاہیجیؒ، شاہ قاسم فیض بخشؒ، پیر محمدؒ یا خضرا شیرازیؒ میں سے کسی نے اپنی تصانیف میں اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے؟ اس طرح کی بہت سارے سوالات کا جواب حاصل کرنے کے بعد ہی اس رسالے کی حیثیت کے بارے میں رائے دی جا سکتی ہے۔ یہاں پر ممکن ہے علم کلام کی ایک بحث کی بھی شاید ضرورت ہو جو 'مہدی دوران'، 'مہدی موعود'، اور 'مہدی آخر زمان' جیسی اصطلاحات میں فرق کی وضاحت کرے۔ کیونکہ یہ علمی باتیں ہیں عوامی باتیں نہیں۔

شاید قارئین کے علم میں ہوگا کہ مخصوص مفادات کے لیے کئی ایسی کتابیں سید محمد نوربخشؒ سے منسوب کی گئی تھیں جو اصل میں نوربخشؒ کی تصنیفات نہیں تھیں۔ ماضی قریب میں ہی ان میں سے ایک رسالے کا اردو ترجمہ بھی مارکیٹ میں آچکا ہے۔ جس کے ذریعے کچھ مخصوص طبقے اپنے عقائد کو سادہ لوح نوربخشیوں پر تھوپنا چاہتے تھے۔ لیکن اس رسالے میں موجود متن کے اصول عقائد کے متن سے تضادات نے اسے خود مسترد کر دیا۔ یوں مستند تاریخی حقائق، معروضی تحقیقات اور خود ایسے نسخوں کے متن کے اندر اور اس متن کا دیگر مسلمہ کتب کے متن سے تضادات کی بنیاد پر ایسی کئی کاوشیں ناکام ہو چکی ہیں۔ اس طرح منسوب کی گئی کتب کے بارے میں تاریخی حقائق بھی سامنے لائے جا چکے ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک اور مثال ایک ضخیم مثنوی ہے جو نوربخشؒ سے منسوب تھی، لیکن اس کے متن میں نوربخشؒ کے دور حیات سے صدی بعد کے حوالہ جات اور تذکرے موجود تھے۔ یوں اس تاریخی تضاد کی روشنی میں اس کی بھی نوربخشؒ کی تصنیف ہونے کو غلط ثابت کیا گیا ہے۔ بقول ڈاکٹر محمد رضا بزرگر خالقی اور عفت کرباسی یہ مثنوی بنام کشف الحقیقت نورعلیشاہ اصفہانی کی تصنیف ہے، جو جنات الوصال سے مربوط ہے۔ اسی طرح صوفیانہ اخلاقیات کی ایک اور اہم کتاب نجم الھدیٰ بھی میر سید محمد نوربخش سے منسوب تھی، جو جدید تحقیقات کے مطابق سید محمد والہ کی تصنیف ثابت ہوئی ہے۔ رسالۃ الھدیٰ کے حوالے سے بھی ایسے امکانات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

ماضی قریب میں بلتستان کے ہی ایک عالم نے کئی نوربخشی کتابوں میں دست اندازی کی۔ جس کی بہت ساری مثالیں اور ثبوت موجود ہیں۔ موصوف خود کتابت کرتے تھے اور پرانی تاریخ ڈال کر اپنی تحریف کردہ نسخوں کو قدیم نسخے ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس طرح کے کئی نسخے خود میری نظروں سے گزر چکے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک دوست کی فرمائش پر میں نے خود تین مختلف نسخوں کو سکینر کے ذریعے high resolution سکین کرکے کمپیوٹر سکرین پر

zooming کے ذریعے فرق دیکھنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ صدی سے زائد تاریخی کتابت والے ان نسخوں کی تحریر hand writing ایک جیسی ہے۔

موجودہ دور کے نوربخشی میر سید محمد نوربخشؒ کو سلسلہ ذھب (جو جنیدیہ، کبرویہ اور ھمدانیہ کے ناموں سے موسوم ہوا، اور آپ کی ذات گرامی کے بعد نوربخشیہ کہلایا) کے مرشد، اپنے عہد کے قطب الاقطاب، غوث اعظم، مجتہد شریعت اور مجاہد طریقت مانتے ہیں۔ پاکستان میں موجود نوربخشی اصولی عقائد، فقہی امور اور تزکیہ و سلوک بھی میں میر سید محمد نوربخشؒ کے پیروکار ہیں۔ اور آپؒ کی ہی تعلیمات کے مطابق امام آخر زمان قائم آل محمد امام مہدیؑ پر بطور خاتم الولایۃ عقیدہ رکھتے ہیں۔

معنی کے اعتبار سے لفظ مہدی استعمال ہونا الگ بات ہے۔ جیسے محرم کے دنوں میں کسی بھی مجلس پڑھانے والے کو آپ ذاکر کہیں گے لیکن وہ معنی کے اعتبار سے ذاکر ہوگا، اس کا اسم علم نہیں ہوگا۔ اس سے مراد ذکرِ حسینؑ کرنے والا شخص ہے نہ کہ خاص فرد کا نام جیسا کہ میرا (راقم کا) نام ہی ذاکر حسین ہے۔ اسی طرح معنی کے اعتبار سے کسی بھی ہدایت یافتہ یا ہدایت کرنے والے کو مہدی کہا جا سکتا ہے جس طرح ماتمِ حسینؑ میں مصائب پڑھنے والے کسی بھی فرد کو ذاکر کہا جاتا ہے۔ لیکن ذاتی نام کے طور پر لفظ مہدی جو امام آخر زمان کا اسم علم (محمد مہدیؑ) ہے۔ اس سے مراد خاتم الولایۃ ہی ہے جس پر اعتقاد رکھنے سے متعلق نوربخشؒ کا فرمان پہلے ہی پیش کیا جا چکا ہے۔ اسی ضمن میں ڈاکٹر محمد ریاض کی کتاب ''احوال و آثار و اشعار میر سید علی ھمدانیؒ'' کے آغاز میں (ص ۲۱) مدیر مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اپنی نگارشات کی توضیحات میں لکھتے ہیں: ''ولی قرائن و شواهد متعدد حکایت می کند که سید محمد نوربخش، خود را مهدی موعود و منتظر به معنائی که مسلمانان (خصوصاً شیعه) از این تعبیر می فهمند، نمی دانسته ، و در مورد او مهدویت نوعی مطرح بوده نه شخصی''

ترجمہ: لیکن قرائن اور متعدد شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدی موعودؑ اور منتظر کی وہ تعبیر اور معنی جو مسلمانوں (خصوصاً شیعہ) میں رائج ہے، اس معنوں میں سید محمد نوربخشؒ نے خود کو مہدیؑ نہیں سمجھا۔ اور ان کے حوالے سے مہدویت نوعی (یعنی معنی کے اعتبار سے) ہے نہ کہ شخصی۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: ہماری شناخت۔ مذہب صوفیہ

موضوع پر تمام بڑے صوفی بزرگوں خاص طور پر حضرت مولانا جلال الدین رومی، حضرت میر سید محمد نوربخش اور حضرت شمس الدین امیری لاہیجی نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے لیکن ہم یہ بحث آئندہ کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔

پس چہ باید کرد: تازہ ترین حالات و واقعات کے تناظر میں اہل صوفیہ نوربخشیہ کو مندرجہ بالا امور کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ عہد حاضر کی فرقہ پرستی کی لعنت کے خاتمے کے لیے وہ ایک قابل قبول کردار ادا کر سکیں۔ دنیا بھر میں انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے احیائے تصوف کی ضرورت کا شدت سے احساس کیا جا رہا ہے۔ اور اہل صوفیہ نوربخشیہ کے پاس اس چیلنج سے نمٹنے کے لیے کافی و شافی علمی و روحانی بنیاد اور اساس موجود ہے۔ ضرورت محض اس بات کی ہے ہم پہلے اپنے آپ کو پہچانیں اور پھر اہل عالم کے سامنے اپنی درست اور حقیقی پہچان اجاگر کرنے کے لیے سعی و کاوش کریں۔ صوفیہ نوربخشیہ کے حقیقی تشخص کو اجاگر کرنے کے لیے سلسلۃ الذہب کے عظیم بزرگوں کی جملہ تصانیف کو منظر عام پر لانا ضروری ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے مسودات کی تلاش، تدوین، ترجمہ، اشاعت اور نشر، نیز ان تمام بزرگوں کے احوال و آثار پر علمی تحقیق کے تحت جامع مقالے مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ نیز رسائل اور پمفلٹ وغیرہ کی صورت میں ان تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی کوشش کی جائے اور اس سلسلے میں جدید الیکٹرانک میڈیا اور انٹرنیٹ سے بھی استفادہ کیا جائے۔ اس موضوع پر مزید گفتگو جاری رہے گی۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ محض سرسری گزرنے کے بجائے ان نکات پر غور و خوض اور گفتگو کریں اور اپنی زریں رائے سے ادارے کو مطلع بھی فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

عملیات

احتسابی عمل

تحریر: غلام حسن حسنو

صورتِ شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب

موجودہ زمانے میں احتساب اور احتسابی عمل کا ہر جگہ چرچا ہے بھی اس امر پر متفق ہیں کہ احتساب ہونی چاہیے مگر ہر ایک کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ احتساب دوسروں کا ہو اس کا اپنا یا اپنے لوگوں کا نہ ہو یہ سوچ احمقانہ ہی نہیں بلکہ انتہائی مجرمانہ سوچ ہے ۔

اللہ تعالی نے احتساب کا ایک وسیع اور متوازن نظام قائم کیا ہوا ہے ہر فرد کے ساتھ کرام کاتبین نامی دو فرشتے لگا دیے ہیں جو آدمی کے ہر ہر حرکات وسکنات کو لکھتے چلے جا تے ہیں ۔اسی طرح ہمارا ہر ہر عمل کائنات کی وسعتوں میں ریکارڈ ہوتا رہتا ہے احتساب کا یہ عمل آدمی کی موت کے بعد بھی جاری رہتی ہے قبر میں نکیر ومنکر کے سوالات، قیامت قائم ہونے کے بعد حساب کتاب، میزان میں اچھے برے اعمال کا وزن اور پل صراط کا عبور یہی احتسابی عمل ہیں ۔

حقیقت میں احتساب ایک نہایت اہم، سودمند اور شاندار عمل ہے جس کے ذریعے کسی فرد یا قوم کی کارکردگی کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔احتساب کے بغیر اصلاح ممکن ہے نہ کسی قسم کی بہتری کا کوئی امکان ہے۔یہی وجہ ہے کہ بزرگان مسلک نوربخشیہ نے اس عمل پر بہت زور دیا ہے۔ بالخصوص رات کو سونے سے پہلے اپنے روزنامچے تیار کرنے اور اس کا حساب کتاب لینے مافات کی تلافی کرنے اور خامیوں کی اصلاح کرنے کی تلقین کی ہے۔حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ نے اپنی مشہور کتاب ذخیرۃ الملوک کے دس ابواب میں سے ایک اور سید محمد نوربخش نے اپنی مشہور فقہی کتاب الفقہ الاحوط کے باون ابواب میں سے ایک باب اس موضوع کے لئے مختص کیا ہے۔یہ اگر چہ دنیا میں احتساب کا عمل ہے لیکن ان کا تعلق آخرت سے ہے۔اس سے ان بزرگوں کی نظر میں احسابی عمل کی اہمیت، ضرورت اور افادیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

یہ کائنات متحرک ہے اور روز بروز ترقی کرتی چلی جا رہی ہے اور اس میں موجود ہر چیز اپنی بقا اور کمال کے لئے کوشاں ہیں۔ جو بھی اس کوشش سے دست کش ہو جاتا ہے وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور تاریخ کے کوڑے دان میں معدوم ہونا اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ چنانچہ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تحرک اور ترقی ضروری ہے تنزل اور جمود کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

احتساب کا عمل انفرادی سطح سے شروع ہوتا ہے جسے ہم خود احتسابی عمل کہہ سکتے ہیں۔جس فرد یا جس قوم میں یہ عمل زیادہ ہمہ گیر ہوگا وہ فرد یا قوم اسی قدر مظبوط وتوانا ہوگا۔اس لئے انسان کو چاہیے کہ روزانہ اپنے افعال وکردار کا احتساب کرے اور جائزہ لے کہ اس نے گزرے ہوئے دن میں کون کون سے اچھے اعمال بجا لائے ہیں؟ اور اور کون کونسی برائیوں کا ارتکاب کیا ہے؟ ان میں سے کتنے اعمال کا تعلق حقوق اللہ سے ہے؟ اور کتنے کا حقوق العباد سے؟ اگر کوئی رات کو سونے سے پہلے اپنا محاسبہ کریں اور آنے والے دن کے لئے تہیہ کرے کہ وہ گزرے دن کے برے اعمال سے تائب ہو کر اچھے اعمال بجا لائے گا تو اس بندے سے متعلق امید رکھی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالی اسے بخش دے اور اس کو عمل صالحہ کی توفیق ارزانی فرمائے۔

کیونکہ خود احتسابی کے عمل سے انسان کو اپنے افعال واقوال

کے پرکھنے، جائزہ لینے اور ان میں پائی جانے والی خوبیوں کو مزید بہتر بنانے اور خامیوں کو دور کرنے کا موقع ملتا ہے اس لئے اس کی بہت بڑی اہمیت ہے اور زندہ رہنے کی امنگ رکھنے والی قومیں مختلف طریقوں سے اپنے افعال و کردار کا احتساب کرتی رہتی ہیں اور اس مقصد کے لئے کئی طریقے اختیار کرتی ہیں جن کے ذریعے جامع رپورٹ تیار کیا جاتا ہے اور اس کے مطابق مختلف منصوبہ بندی کی جاتی ہے یوں وہ ترقی و عروج کی منزلیں طے کرتی ہیں مغربی ممالک میں حکومتوں کے علاوہ مختلف نجی اداروں سے یہ کام لیا جاتا ہے جنہیں تھنک ٹینک کا نام دیتے ہیں ۔اس کے مقابلے میں سست اور نا امید قومیں احتساب سے ہر وقت خوفزدہ، لرزاں اور گریزاں رہتی ہیں اور اپنی بری بھلی کارگزاریوں اور مفید و مضر اعمال و افعال میں مگن رہتی ہیں اگر کبھی احتسابی عمل شروع ہو بھی جائے تو مصلحت کوشی سے کام لیتے ہوئے خامیوں، خرابیوں اور بدعملیوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور ذمہ داروں سے چشم پوشی کی جاتی ہیں جس کی وجہ سے انہیں اپنی اصلاح کا موقع نہیں ملتا اس طرح ان قوموں میں باصلاحیت لوگوں کی قابلیت و استعداد ضائع ہوتی ہیں اصلاح احوال نہ ہونے کی وجہ سے ایسی قوموں کی کارکردگی سست پڑ جاتی ہے برائیاں، خامیاں اور خراب کارگزاریاں ایسی قوم کو گھن کی طرح چاٹتی رہتی ہیں اور بہت جلد ایسی قومیں گردش زمانہ کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوکر تاریخ کی دھول میں گم ہو جاتی ہیں۔ جب ہم اپنے آج کی حالت کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ تین صورتیں سامنے آتی ہیں۔

۱)۔ ہم کل کے مقابلے میں روبترقی رہا۔ ۲)۔ہماری حالت کل کے برابر رہا۔ ۳)۔ہم تنزل کا شکار ہوئے۔

جب ہم مثلاً ۲۰۱۸ء کا جائزہ لیتے ہیں تو سال گذشتہ کے مقابلے میں ہمیں کوئی قابل فخر کام دکھائی نہیں دیتا۔مثلاً کوئی تعلیمی، تحقیقی ادارہ نہیں بنا، کوئی کتاب تحریر، شائع نہیں ہوئی، قومی سطح کی کوئی کامیابی نہیں ملی ۔گذشتہ سال کی طرح یہ سال بھی جیسا تھا ویسا رہا گویا زمین جنبد نہ جنبد گل محمد والی بات۔ جبکہ امسال ہم مزید بکھر گئے، تعمیر و ترقی کا فقدان رہا ہمارے ذمہ دار احساس زیاں سے چشم پوشی کرتے رہے۔

اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد پڑھیے یہ حدیث مشائخ نوربخشیہ کی کتب میں بھی موجود ہے فرماتے ہیں:

مکمل حدیث یوں ہے: مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ وَمَنْ کَانَ اٰخِرُ یَوْمِہٖ شَرًا فَھُوَ مَلْعُوْنٌ وَمَنْ لَمْ یَکُنْ عَلَی الزِّیَادَۃِ فَکَانَ عَلَی النُّقْصَانِ وَمَنْ کَانَ عَلَی النُّقْصَانِ فَالْمَوْتُ خَیْرٌ لَہٗ۔ جس کا دو دن برابر ہو وہ مغبون (خسارہ) ہے اگر اس کا دوسرا دن زیادہ بدتر ہو تو وہ ملعون ہے اگر نیکی میں اضافہ نہ ہو تو وہ نقصان میں ہے نقصان میں ہوا اس کے لئے موت سے بہتر ہے۔ (مصنفات فارسی سنائی ص۲۰۲۔کشف المحجوب ص۱۵۷۔ معانی الاخبار ص ۳۳۲۔ روضۃ الفردوس ص۲۷۔زبدۃ الطائفہ ص۲۱۲۔)

یہاں برابر یا ایک جیسے دن کو نقصان قرار دیا گیا ہے کل سے بدتر دن کا کیا حال ہوگا؟ اب ہم من حیث القوم اپنا جائزہ لیتے ہیں مسلک نوربخشیہ مذاہب اسلام میں ایک بہترین اور ظاہر و باطن اور شریعت و طریقت کا جامع مذہب ہے اور ہم اس کے نااہل وکیل ثابت ہوئے ہیں ہم انفرادی طور پر کسی خود احتسابی عمل کے قائل نہیں رہے نہ ہی اجتماعی طور پر کوئی اپنے آپ کو احتساب کے لئے پیش کرنے کو تیار ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری حالت روز بروز بد سے بدتر ہو رہی ہیں اور معمولی باتوں نے ہمیں پریشان کر رکھا ہے۔آیئے ہم پہلے خود اپنا احتساب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہم کتنے پانی میں ہیں؟

1-آپ نے کونسی نیکی کی ہے؟

2-آپ کی نیکی کا تعلق آپ کی اپنی ذات تک محدود ہے یا دوسروں سے بھی متعلق ہے؟

3-ان نیکیوں سے کتنے بندگان خدا کو فائدہ ہوا ہے؟

4-ان نیکیوں کا فائدہ دائمی رہنے والی ہے یا اسی وقت ختم ہونے والی؟

5-ان نیکیوں کو کس نیت اور جذبے سے سرانجام دیا ہے؟

6-ان میں خلوص کتنا تھا؟

7-ان میں کوئی ذاتی غرض یا نفسانی خواہش کا دخل تو نہیں؟

8-ان نیکیوں میں سے کتنی نیکی قومی جذبے اور اجتماعی مفاد کے لئے تھی؟

9-اس میں مزید بہتری لانے کی کتنی گنجائش موجود ہے؟

باقی صفحہ نمبر 09 پر

عملیات

ہماری شناخت۔ مذہب صوفیہ

تحریر: مدیر نوائے صوفیہ انٹرنیشنل

قرآن مجید، فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

ترجمہ: ”بے شک اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہی ہے۔“

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمیں دین اسلام کی ہدایت بن مانگے عطا فرمائی ورنہ روئے زمین پر ایسے انسان بھی موجود ہیں جو ہنوز جنگلوں میں وحشی جانوروں کی طرح رہ رہے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے نام اور پیغام سے بے خبر ہیں۔ متمدن دنیا میں بھی اکثریت ایسے انسانوں کی ہے جو اللہ کے دین سے یا تو بے خبر یا بے پروا۔ ان میں اکثر ایسے ہیں جو دین کو ہی قصہ پارینہ سمجھتے ہیں اور رجعت پسندی کی علامت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سائنس کی ترقی نے تمام انسانی مسائل کا حل پیش کر دیا ہے اور حقائق حیات وکائنات کو اندھیرے سے اجالے میں لے آیا ہے ایسے میں کسی دین مذہب کو ماننے کی ضرورت رہ جاتی ہے؟ بعض نام نہاد روشن خیال، دانشور قسم کے لوگ جدید فلسفہ ہائے حیات کے مطالعے سے متاثر ہو کر دین کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں اور وہم وگمان کے میدان میں گھوڑے دوڑاتے ہیں۔

ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ فکر انسانی کا ارتقاء نہیں ہونا چاہیے، البتہ ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ وحی کی رہنمائی کے بغیر جو بھی فلسفہ یا نظام حیات مرتب ہوگا، وہ ضرور ناقص ہوگا اور اس میں حیات اور مابعدالحیات کے جملہ مسائل سے نمٹنے کی کماحقہ صلاحیت موجود نہ ہوگی۔

دین اسلام کی انفرادیت یہ ہے کہ اولاً یہ دین فطرت ارتقائے فکر انسانی کے نقطۂ کمال پر آیا ہے اور اپنے تمام پیشتر وادیان سے زیادہ جامع اور مکمل ہے۔ دوسرے اس دین کے اصول اور مبادی میں ایسی لچک اور صلاحیت موجود ہے کہ تا قیام قیامت بنی نوع انسانی کی فکری اور عملی رہنمائی تمام صلاحیتیں اس دین میں موجود ہیں۔ جو دین اسلام کے مکمل ہونے کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس دین کے آنے کے بعد کسی نئے دین کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی، وہ راہ حق وہدایت پر ہیں، لیکن جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دین ایک بے لچک اور ارتقاء سے عاری دین ہے وہ شاید راہ صواب سے دور ہیں۔ کیونکہ اسلام کے اندر ایسی وسعت اور گنجائش موجود ہے کہ ہر دور اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق یہ ترقی اور عروج مراحل طے کرے اور جدید ترین اذہان کی فکری تشنگی کو بھی دور کرنے کے قابل رہے۔

بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ علمائے اسلام نے دین اسلام کی جامعیت اور ہمہ گیریت کو اہل عالم کے آگے پیش کرتے ہوئے جدید سائنس اور فلسفہ کے شانہ بشانہ چلنے کے بجائے محض غیر اہم فروعی مسائل اور اختلافات کو اپنے فکر اور تحقیق کی بنیاد بنا کر دین کو ایک چیستان بنا ڈالا ہے اور ان اختلافات کو اس قدر ہوا دی ہے کہ آج بدقسمتی سے مسلمان مسلمان کے خون کا پیاسا نظر آتا ہے۔

بنیاد پرستی Fundamentalism کوئی ایسی بری چیز نہیں جس کے بارے میں اہل اسلام معذرت خواہانہ رویہ اختیار کریں، کیونکہ بنیاد پرستی تو محض دین کے بنیادی امور جیسے ایمان واسلام کے بنیادی ارکان پر ایمان لانے اور عمل پیرا ہونے کا نام ہے۔ اصل چیز جس کی وجہ سے مسلمان پوری دنیا میں ہدف تنقید بن رہے ہیں وہ تعصب، تنگ نظری، عدم برداشت اور تشدد ہے، جن کا دین سے دور کا بھی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔ دین تو ہمہ گیر محبت اور عالم گیر انسان دوستی

کا دوسرا نام ہے۔ دین تو انسان کیا، جانوروں، کیڑے مکوڑوں بلکہ بے جان اشیاء اور حیاتیاتی ماحول کا بھی خیال رکھنے اور پیار کرنے کا درس دیتا ہے۔ مغربی مفکرین کا دیا ہوا یہ تاثر غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسلام صوفیائے کرام، اولیائے کرام اور اولیاء اللہ کے درس پیغام ومحبت سے پھیلا ہے۔ حضرت شاہ ہمدان سید علی ہمدانیؒ، حضرت داتا گنج بخش اور حضرت معین الدین چشتی اجمیری جیسے صوفیہ نے کون سی تلوار چلائی تھی کہ لاکھوں انسان حلقہ بگوش اسلام ہوئے؟ اب آیئے فرقہ پرستی اور انتہا پسندی کی طرف، اللہ تعالیٰ کے واضح حکم یعنی:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا.

'اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ بازی سے باز رہو'

اس کے باوجود اسلام کا تہتر سے زائد فرقوں میں بٹ جانا قابل افسوس ہے۔ ائمہ دین نے جو بھی مساعی کی ہیں وہ خلوص ومحبت کی بنیاد پر ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان کے پیروکاروں نے اختلاف اور عصبیت کو ہوا دی ہے۔ لیکن صوفیائے کرام نے اس صورت حال میں اعتدال اور میانہ روی اور صلح کل کے راستے کو پسند فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جن کا تعلق سلسلہ ذہبیہ سے ہے، کا فرمان سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو حضور نبی کریمؐ کی ہر ہر سنت اس قدر محبوب تھی کہ تا قیام قیامت ان کو محفوظ کرنے کا بندوبست فرمایا۔ چنانچہ اسلامی فرقوں میں سے کسی نے ایک سنت کو اختیار کیا اور کسی نے دوسری کو۔ لیکن چونکہ ہر مسلمان کے لیے امور دین میں اختصاص اور مہارت حاصل کرنا ممکن نہیں ہے، اس لیے ضرور ہے کہ ہر مسلمان کسی نہ کسی امام کی پیروی کرے، لیکن زندگی میں کم از کم ایک بار دیگر ائمہ کے طریقے کے مطابق بھی احکامات واعمال ضرور بجالائے تاکہ روز قیامت کسی سنت کے فوت ہونے کا افسوس نہ ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی فرقوں کی کثرت کے باوجود ان کے دو بڑے گروہ اہل تسنن اور اہل تشیع ہیں، جن میں سے اول الذکر سنت نبویؐ پر عمل کرنے کا دعوے دار ہے اور خلفائے راشدین اور اصحاب کرام اور اہل بیت رسول کی محبت کا دم بھرتا ہے، جبکہ دوسرا گروہ زیادہ تر اہل بیت رسول اور ائمہ اثنا عشر سے محبت اور مودت اور دوستداری کا دعویدار ہے۔ اس تقسیم کے باوجود اکثر مفکرین اور دانشوروں نے اس حقیقت کا احساس اور اعتراف کیا ہے کہ اسلام میں ایک تیسرا غالب اکثریتی گروہ بھی موجود ہے، اگرچہ یہ گروہ اپنے آپ کو کسی خاص اسم علم سے ممتاز نہیں کرنا چاہتا اور یہ گروہ صوفیہ کا گروہ ہے۔ صوفیہ کا مسلک اعتدال اور میانہ روی کا مسلک ہے، وہ فروعی اور جزوی اختلافات کو چنداں اہمیت نہیں دیتے اور اپنا مطمح نظر محض اور محض قرب الٰہی کو قرار دیتے ہیں۔ ان کا مذہب عشق خداوندی ہے۔

مذہب عشق از همه مذهب جداست

عاشقان را مذہب وملت خداست

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے فقہی امور میں کبھی ایک امام کے مسلک کو پسند فرمایا ہے اور کبھی دوسرے امام کے طریقے کو ترجیح دی ہے۔ لیکن مجموعی طور پر تمام ائمہ واکابرین دین کے ساتھ حسن ظن اور اخلاص کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ تصوف کے سلاسل میں سے سلسلۃ الذھب الصوفیہ' کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہے کہ اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ افراد وتفریط سے دور رہ کر اعتدال کے راستے کو اختیار کیا گیا ہے۔ تصوف کا یہ عظیم سلسلہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے متمسک ہے اور اس سلسلے کے بزرگوں میں حضرت معروف کرخیؒ، حضرت سری سقطیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت شیخ ابونجیب سہروردیؒ، حضرت شیخ احمد غزالیؒ، حضرت شیخ علی لالاؒ، حضرت شیخ نجم الدین کبریؒ، حضرت عبدالرحمٰن اسفرائنیؒ، حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ، حضرت میر سید محمد نوربخشؒ، حضرت میر شمس الدین محمد اسیری لاہیجیؒ جیسی مشہور عالم قد آور روحانی شخصیات شامل ہیں جن کی روحانی منزلت اور مرتبے اور تبلیغ واشاعت کی عملی مساعی کی ایک دنیا معترف ہے۔

سلسلہ معروفیہ، جنیدیہ، کبرویہ، ہمدانیہ، نوربخشیہ کا خصوصی وصف یہ ہے کہ جہاں اس سلسلے کے بزرگ سنت نبویؐ پر خصوصیت کے

ساتھ عمل پیرا ہیں وہاں ائمہ اہل بیت سے بھی خصوصی محبت اور مودت رکھتے ہیں، کیوں نہ ہو کہ انہوں نے اپنا روحانی ورثہ بھی ائمہ اہل بیت کے دامن فیض سے حاصل کیا ہے۔ چنانچہ بزرگان سلسلۃ الذہب نے جہاں دیگر ائمہ فقہ کی علمی مساعی کو استحسان کی نظر سے دیکھا ہے، وہاں خصوصیت کے ساتھ اہل بیت علیہم السلام کے احکام وفرامین کو خصوصی اہمیت اور افضلیت دی ہے۔ سلسلۂ کبرویہ میں اس روش کو خوب فروغ حاصل ہوا اور اس سلسلے کے بزرگوں نے جن میں حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی، حضرت میر سید علی ہمدانی، حضرت میر سید محمد نوربخشؒ جیسے عظیم نام شامل ہیں خصوصیت کے ساتھ سنت نبویؐ پر عمل کو اپنا شیوہ بنایا اور اہل بیت رسول سے محبت ومودت کو اپنا طرۂ امتیاز جانا۔ ان بزرگوں کی فقہی تعلیمات میں بھی اعتدال کی یہی روش نظر آتی ہے کہ اگرچہ انہوں نے دیگر ائمہ فقہ کے بعض مسائل کو بھی پسند فرمایا ہے۔ لیکن جہاں جہاں ائمہ اہل بیت کے ہاں کوئی حکم نظر آیا ہے، اسے سب سے بڑھ کر اولیت اور ترجیح دی ہے۔

بدقسمتی سے نویں صدی ہجری تک عالم اسلام میں فروعی اختلافات کی خلیج اس قدر وسیع ہو گئی تھی اور دین میں بدعتوں نے اس قدر فروغ پایا تھا کہ مختلف فرقے ایک دوسرے کے حق میں کفر وشرک کے فتوے صادر کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ اس اختلاف و انتشار کی فضا میں غوث الاعظم، امام العالم حضرت میر سید محمد نوربخش موسوی قہستانی علیہ الرحمہ نے ضروری سمجھا کہ امت مسلمہ کو اس بحرانی کیفیت سے نکالنے کے لیے شریعت محمدیؐ سے بدعتوں کا خاتمہ کرنے کے ساتھ ساتھ ایسے معتدل مسلک کو رواج دیا جائے جس پر تمام اہل اسلام کے اتفاق کا امکان ہو۔ حضرت امام نوربخش علیہ الرحمہ نے دعوی فرمایا ہے کہ انہوں نے شریعت محمدیہ کو بلا کم وکاست اسی طرح بیان کیا ہے جیسے وہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک دور میں رائج تھی۔ یاد رہے کہ نوربخش کے پیش رو شیوخ طریقت بھی اسی مسلک پر کاربند تھے لیکن بعض جزوی نوعیت کی کاوشوں کے علاوہ ایک مبسوط فقہی کتاب لکھنے کی چنداں ضرورت نہ سمجھی گئی تھی۔

میر سید محمد نوربخش علیہ الرحمہ کے بعد ان کے فرزند ارجمند حضرت میر قاسم فیض بخش علیہ الرحمہ سلسلہ معروفیہ، ہمدانیہ، نوربخشیہ کے شیخ طریقت اور اپنے والد نامدار کے روحانی جانشین بنے، تو آپ نے ایک ایسا لازوال کارنامہ سرانجام دیا جس سے تمام آنے والے تمام وقتوں کے لیے مذہب صوفیہ کی نظریاتی حصار بندی ہو گئی، اور اس حصار میں رخنہ اندازی کے امکان کا بھی قلع قمع ہو گیا۔ علمی دنیا کی یہ شاید سب سے مختصر لیکن سب سے اہم دستاویز ہے جس کو آج کل کے اہل نوربخشیہ "آئینہ نوربخشیہ" یا "چودہ روحانی نعرے" کا نام دیتے ہیں۔

آئینہ نوربخشی:

اہل صوفیہ نوربخشیہ کے یہ چودہ روحانی نعرے حسب ذیل ہیں:

۱) بندہ خدا ۲) ذریت آدمؑ ۳) ملت ابراہیمؑ
۴) امت محمدؐ ۵) دین اسلام ۶) کتاب قرآن
۷) کعبہ قبلہ ۸) متابعت سنت نبویؐ ۹) محبت علیؑ
۱۰) سلسلۃ الذہب ۱۱) مذہب صوفیہ ۱۲) مشرب ہمدانیہ
۱۳) روش نوربخشیہ ۱۴) مرید مرشد

تمام اہل صوفیہ کو ازبر ہونے کے باوجود ان کلمات کی اہمیت کو سرسری انداز میں سمجھا گیا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کلمات میں بعض گہرے معانی اور مطالب موجود ہیں۔ یہاں ہم ان میں سے محض چند ایک نکات بیان کریں گے۔

☆ بندۂ خدا کا اقرار کرنے کے بعد تمام لادینی نظریات کا قلع قمع ہو جاتا ہے اور انسان ان امور پر جن پر ایمان بالغیب کا حکم آیا ہے، ایمان لا کر پورے کا پورا دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا پابند ہو جاتا ہے۔

☆ ذریت آدمؑ کا اقرار کرنے سے اس حقیقت کا اثبات ہو جاتا ہے کہ تمام انسان بلاتفریق رنگ ونسل حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے پیدا ہوئے ہیں اور یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ فی الارض اور پہلا نبی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ اس اعلان کے بعد ایسے شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ خدانخواستہ انسان بوزنہ یا کسی اور جانور کی نسل سے ہے، جیسا کہ آج کل کے ڈاروینیوں

کا خیال خام ہے۔ رنگ و نسل کی بنیاد پر ہونے والے امتیاز کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔

☆ ملت ابراہیمیؑ کا دعوی کرنے سے ان تمام الہامی مذاہب کی ایک وحدت بن جاتی ہے جو دین ابراہیمیؑ کے بعد آئے ہیں اور اگر اہل اسلام کے علاوہ اہل یہود و نصاری بھی اس کے قائل ہو جائیں تو بین المذاہبی توافق interfaith harmony کا راستہ خود بخود ہموار ہو جاتا ہے۔ جس کی اہمیت کا عہد حاضر میں سب سے زیادہ ادراک کیا گیا ہے۔

☆ امت محمدیہ کا فرد ہونے کا اعلان امت مسلمہ کو ایک ہمہ گیر بھائی چارے میں منسلک کرتا ہے۔ یہ نعرہ قومیت کے اس جدید تصور پر بھی کاری ضرب لگاتا ہے جو وطنیت سے ماخوذ ہے۔ اور دنیا کی تمام اقوام متفرقہ کو بلالحاظ رنگ و نسل و زبان و ثقافت ایک عالمگیر وحدت میں پرو دیتا ہے۔

☆ دین اسلام کا نعرہ اہم ترین ہے۔ فی زمانہ تفرقہ بازی نے دین اسلام کے تشخص کو لخت لخت کر دیا ہے۔ جب اللہ تعالی نے ان الدین عند اللہ الاسلام فرمایا تو تمام اہل اسلام کو محض مسلم کہلانے پر فخر کرنا چاہیے۔ چنانچہ اگر کوئی کسی سے سوال کرے کہ تمہارا مذہب کیا ہے؟ تو اس کا جواب 'اسلام' ہی کافی ہوگا۔ دین اور مذہب بڑی حد تک مترادف الفاظ ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص ایسا عقیدہ نہیں رکھتا جو اسے دائرہ اسلام سے خارج کرے تو اس کو مسلم کہلانا کافی ہے۔ چنانچہ یہ نعرہ مومن مسلمان کو اس وسعت کا حامل ہونا ہے کہ وہ تمام ائمہ دین اور اکابرین اسلام کی اچھی اور پسندیدہ باتوں کو اپنانے اور ان کے احکامات پر عمل کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے، تمام مسلمانوں بلاتفریق مسلک و مشرب اچھا سمجھے اور کم از کم اپنے آپ سے بہتر خیال کرے۔ خصوصاً اہل بیت اطہار، صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین کو اپنے آپ سے بدرجہا بہتر سمجھے۔

☆ کتاب قرآن کے روحانی نعرے سے قرآن مجید، فرقان حمید کی جامعیت اور اکملیت کے متعلق ہر قسم کے شک وشبہ کی بیخ کنی مقصود ہے۔ اب اہل صوفیہ نوربخشیہ کا یہ عقیدہ رکھنا ہرگز قابل قبول نہیں ہوگا کہ نعوذ باللہ موجودہ قرآن میں کوئی کمی ہے اور یہ کہ اصل قرآن بعد کے زمانے میں کوئی شخصیت لے کر آئے گی۔ ایسا عقیدہ دائرۂ ایمان سے اخراج کا باعث ہوگا۔

☆ کعبہ قبلہ یہ نعرہ بھی واضح ہے لیکن عہد حاضر کے تناظر میں اس کی یہ بھی اہمیت ہے کہ تمام اہل اسلام کی فکری اور روحانی توجہ اور یک جہتی کا سب سے بڑا مرکز اس قبلے کو ہی ہونا چاہیے۔ سیاسی محاذ پر بھی اہل اسلام کو اپنا قبلہ درست کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ایمان اور اسلام کا اقرار کرنے کے بعد کسی کے لیے لندن، واشنگٹن یا ماسکو کو قبلہ بنانے کی ہرگز گنجائش نہیں رہتی۔

☆ متابعت سنت کا نعرہ بھی انتہائی اہم ہے۔ اہل صوفیہ نوربخشیہ ہی سنت نبوی کے اصلی اور حقیقی وارث ہیں اور اسی نعرے پر سب کو نازاں ہونا چاہیے۔ فی زمانہ بعض سطحی سوچ رکھنے والے لوگ اس بات کو عجیب خیال کرتے ہیں کہ نوربخشیہ کو اہل سنت کہا جائے۔ حالانکہ اہل صوفیہ ہی حقیقی سنی ہیں جو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر محض ظاہری اعتبار سے عمل پیرا نہیں بلکہ معنوی اور روحانی طور پر بھی اس ورثے کے حقیقی امین ہیں۔ وہ تمام اسرار و رموز جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر اپنے خلیفۂ باطنی حضرت مولائے متقیان علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائے، سینہ بہ سینہ کم و بیش سلسلۃ الذہب کے صوفیہ کو منتقل ہوئے ہیں اور جدید زمانے میں اہل صوفیہ نوربخشیہ ہی ان کے حقیقی وارث ہیں۔

☆ محب علیؑ ہونے کا نعرہ بھی بہت پیارا ہے۔ حضرت مولائے متقیان علی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق لوگوں میں سے بہت سے لوگ آپ علیہ السلام کی عداوت اور بغض یا آپ کے درجہ و مقام میں غلو کی وجہ سے ہلاک ہوں گے۔ یہ مثالیں ہمارے سامنے ہیں اور ذی شعور افراد کے لیے اس ذیل میں مزید تبصرے کی ضرورت نہیں ہے۔ اہل صوفیہ نوربخشیہ محبت و مودت علیؑ کے محض زبانی دعوے دار نہیں بلکہ انہوں نے تو خود کو آپ اور آپ کے جانشینوں کی درخشاں سیرت کی

پیروی کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اگر حضرت علی علیہ السلام سے محبت و مودت رکھنے والے شیعانِ علی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں تو اہلِ صوفیہ ہی حقیقی معنوں میں شیعانِ علی ہیں بدقسمتی سے آج بہت سے کج فہم خود کو شیعہ کہلانے میں عار محسوس کرتے ہیں جب کہ حقیقی شیعہ ہونا ایک بڑی کامیابی ہے اور حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ نے اپنی عظیم تفسیر، تفسیر نجم القرآن میں اہلِ صوفیہ کو مولا علیؑ کا حقیقی شیعہ بننے کا حکم دیا ہے۔

☆ سلسلۃ الذہب سے وابستگی کا اعلان بھی بڑا اہم ہے۔ اس اعلان کا خصوصی پہلو یہ ہے کہ اہلِ صوفیہ کی حقیقی تصویر سلسلۃ الذہب الصوفیہ کے تمام بزرگوں سے خصوصی وابستگی کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ محض اوراد فتحیہ کے بعد ان بزرگوں کے نام کا ورد کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ ان تمام شیوخ طریقت کی تعلیمات سے مکمل واقفیت اور ان پر عمل بھی حقیقی صوفی بننے کے لیے ضروری ہے۔ ہم اوراد فتحیہ اور دعائے رقاب کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور دعوات صوفیہ کو حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کی تالیف جانتے ہیں۔ (اگرچہ ہمدانیات کے کسی محقق نے اس نام سے شاہ ہمدان کی کسی تالیف کا ذکر نہیں کیا ہے۔) لیکن دوسری طرف ہم کیا حضرت شاہ ہمدان سے مکمل عقیدت نہیں رکھیں گے؟ ہم اگر مودۃ القربیٰ کو عزیز رکھتے ہیں تو کیا ذخیرۃ الملوک کو اس لیے مسترد کریں گے کہ اس کتاب میں بعض ایسے نام بار بار آتے ہیں جو بعض لوگوں کو پسند نہیں؟ اگر ہم حضرت شاہ ہمدان علیہ الرحمہ کی بھی مکمل پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں تو کیا ہم آپ کے ماموں اور مرشد حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی کا انکار کریں گے اور آپ کی عظیم تصانیف 'العروہ لاھل الخلوہ والجلوہ'، 'تفسیر نجم القرآن'، 'مالابد منہ' سمیت آپ کے سو سے زیادہ کتابیں اور رسائل کو مسترد کر دیں گے؟ اور اگر بالفرض ان کو مانتے ہیں تو کیا حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ اور ان کی کتابوں 'تفسیر التاویلات النجمیہ' اور دیگر کو مسترد کریں گے؟ کیا آپ علیٰ ہذا القیاس سلسلۃ الذہب الصوفیہ کے عظیم مشائخ کی تصنیف کردہ سینکڑوں، ہزاروں کتابوں کو اپنا ماننے اور اپنا بنانے سے انکار کریں گے؟ کیا آپ حضرت معروف کرخی سے لے کر ان کے بعد کے شیوخ طریقت کے اقوال و فرامین کو نظر انداز کریں گے؟ کیا آپ ائمہ اہل کی پاکیزہ تعلیمات سے پہلو تہی اختیار کریں گے؟ کیا آپ مولائے متقیان علی علیہ السلام کے فرامین اور آثار کے منکر ہو جائیں گے؟ اور سب سے اہم کیا آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک احادیث کا انکار کریں گے کہ ان کے جمع کرنے والے آپ کو پسند نہیں؟ کیا آپ نعوذ باللہ منکرِ قرآن بننا پسند کریں گے؟ اور قرآن پاک کی عظیم صوفیانہ تفاسیر کو اپنا روحانی ورثہ ماننے سے انکار کریں گے؟

یقیناً اہلِ انصاف ان تمام سوالوں کا جواب 'نہیں' میں دیں گے کیونکہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت مولائے متقیان علی کرم اللہ وجہہ، حضرات حسنین علیہم السلام اور جملہ دوازدہ ائمہ کو محض رسمی اور زبانی طور پر نہیں مانتے بلکہ ان کے ارشادات اور فرمودات پر عمل کا بھی خود کو مکلف پاتے ہیں۔

پس یہ بات واضح ہوئی کہ جو لوگ یہ نعرہ بلند کرتے ہیں کہ نوربخشی کتابیں محض تین ہیں: فقہ الاحوط، کتاب الاعتقادیہ اور دعوات صوفیہ، تو یہ کم نظری کی دلیل ہے۔ اس طرح تو آپ اہلِ صوفیہ نوربخشیہ کو اپنے اسلاف کے اس عظیم ورثے سے محروم کریں گے، جس پر علمی دنیا ہمیشہ سے رشک کرتی آئی ہے اور کرتی رہے گی۔

پس اہلِ صوفیہ نوربخشیہ کا مستقبل اس سے وابستہ ہے کہ نہ صرف مذکورہ تین کتابیں بلکہ حضرت میر سید محمد نوربخش، حضرت میر سید علی ہمدانی، حضرت علاء الدولہ سمنانی، حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ اور دیگر تمام بزرگوں کی تمام تصنیفات اور تالیفات پر بھی تحقیق کریں، ان کی اشاعت کا بندوبست کریں اور ان پر عمل کو باعثِ افتخار جانیں۔ علاوہ بریں اکابرین اسلام نے جو بھی اچھی بات کہی یا لکھی اس سے بھی ہمیں اعتنا کرنا چاہیے حتیٰ کہ غیر مسلموں سے بھی اچھی باتیں سیکھنی چاہئیں۔ کیونکہ حکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے سوائے وہ جہاں پائے اس کا زیادہ حقدار ہے۔

☆ مذہب صوفیہ کا روحانی نعرہ سکھا کر حضرت شاہ قاسم فیض بخش علیہ الرحمہ نے مستقبل کے تمام خطرات کی پیش بندی فرمائی۔ ہمارے مذہب کا نام صوفیہ قدیم سے چلا آتا ہے۔ جو اہل علم تحقیق و جستجو رکھتا ہو وہ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی کی 'العروۃ' اور دیگر مشائخ سلسلۃ الذہب کی تصنیفات کا بالاستیعاب مطالعہ کرے تو راہِ صواب سے آشنائی حاصل کر سکتا ہے۔ مذہب کے نام کے طور پر لفظ صوفیہ کے ساتھ کوئی اور دم چھلا لگانے کی ضرورت نہیں۔ اگر ہم ان سب امور کے نام کو مذہب کے نام کا جزو بنائیں جن پر ہم اعتقاد رکھتے ہیں تو لفظ صوفیہ کے ساتھ رسولیہ، قرآنیہ، امامیہ، سنیہ، صدیقیہ، وغیرہ کا اضافہ بھی کرنا پڑے گا جو قطعی غیر ضروری ہے۔ جب کہ مذہب کا نام 'صوفیہ' اس مذہب پر عمل پیرا افراد کے افراط و تفریط سے پاک معتدل روش پر گامزن ہونے اور اسلام کے روحانی ورثے کا امین ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے، اس لیے یہ نام مستحسن ہے۔ البتہ اگر کوئی مومن مسلم یہ کہے کہ میں اپنے لیے لفظ صوفیہ بھی پسند نہیں کرتا اور محض دینِ اسلام کو ہی اپنی پہچان سمجھتا ہوں تو وہ بھی دائرۂ ایمان سے خارج نہ ہو گا۔

☆ مشرب ہمدانیہ کی اہمیت یہ ہے کہ وہ عظیم ہستی جس نے ہمیں دولتِ اسلام سے مالا مال فرمایا حضرت شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ ہیں۔ ہم ان کے عطا کردہ 'اوراد فتحیہ'، 'دعائے رقاب' اور 'دعائے سیفی' نیز آپ کی کتب اور رسائل کو حرز جان و ایمان سمجھتے ہیں، اس لیے اپنے مشرب کو ہمدانیہ کہنے پر فخر کرتے ہیں۔ مشرب پینے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ ہمیں عشق و محبت کا جام حضرت شاہ ہمدان علیہ الرحمہ کے دستِ مبارک سے ہی عطا ہوا ہے اس لیے ہمارا مشرب ہمدانیہ ہے۔

☆ روشِ نوربخشیہ کی اہمیت یہ ہے کہ ہم بالخصوص اعتقادی امور میں حضرت میر سید محمد نوربخش قہستانیؒ کی افراط و تفریط سے پاک تصانیف 'الفقہ الاحوط' اور 'کتاب الاعتقادیہ' پر عمل پیرا ہیں اور یہ وہ زندۂ جاوید تصانیف ہیں جن پر عمل تمام عالم اسلام کی وحدت کا باعث بن سکتا ہے اور اہلِ اسلام کو فرقہ پرستی اور تعصب کی لعنت سے نجات دلا سکتا ہے۔ اس لیے ہم محبت اور عقیدت کے ساتھ اپنے آپ کو حضرت غوث المتاخرین کی اس عظیم تحریک سے وابستہ سمجھتے ہیں جسے 'نوربخشیہ' کا نام دیا گیا۔

☆ مرید مرشد کا نعرہ بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ رشد و ہدایت کا ایک باقاعدہ نظام جسے خانقاہی نظام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، اہلِ صوفیہ کا طرہ امتیاز ہے۔ ہمارے تمام بزرگوں نے 'اہمیتِ شیخ' پر نہایت زور دیا ہے۔ شیخ کی تربیت کے بغیر کوئی سالک اعلیٰ روحانی احوال و مقامات کو نہیں پا سکتا۔ بلکہ طریقت میں شیخ کی رہبری کے بغیر منزل ملنے کا سوال ہی نہیں ہے، کیونکہ فرمایا گیا ہے کہ جس کا شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہے۔ سلسلۃ الذہب کے تمام بزرگوں نے اہمیتِ شیخ پر خصوصیت سے زور دیا ہے اور حضرت میر نوربخش نے شیخ کا اتباع اس طور سے کرنے کا حکم دیا ہے کہ سالک اپنے آپ کو مردے کی طرح شیخِ طریقت کے ہاتھوں میں سونپ دے تاکہ وہ کسی غسال کی مانند اسے جدھر چاہے پھیرے۔ مثنوی اسرار الشہود میں اہمیتِ شیخ کے موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے بزرگوں نے ان جعلی شیوخِ طریقت سے بھی بچنے کی بھی بارہا تلقین کی ہے جو محض نام کے شیخ اور مرشد ہیں اور دراصل اپنے نفس کے پجاری ہیں۔ ایسے نام نہاد مرشدوں کو راہِ سلوک کا راہزن قرار دیا گیا ہے۔ پس نوربخشیہ میں مرشد یا شیخ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ شریعت، طریقت اور حقیقت کے تمام منازل طے کرنے والا ہو اور ملکوت، جبروت اور لاہوت کا سیاح ہو اور فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مراحل سے گزر چکا ہو اور اپنے شیخ طریقت سے سالکین کی تربیت اور رشد و ہدایت کے لیے اجازت نامہ اور خرقۂ تصوف پا چکا ہو۔ اگر کوئی شخص محض موروثی طور پر گدی نشین بنا بیٹھا ہو اور رسمی طور پر اپنے آپ کو پیر طریقت کہلاتا ہو، جیسا کہ ملکِ عزیز میں ہوتا ہے، تو ایسا دعویٰ چنداں مفید نہیں۔ دین کے معنوی حصار کو ایسے نام نہاد مرشد سے استحکام حاصل ہونے کی بجائے خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ سالکین کو رشد و ہدایت دینے کا اہل ہونا مرشد کی کم سے کم اہلیت ہے۔ اس

باقی صفحہ نمبر 32 پر

حمد باری تعالیٰ

غلام نبی پتچانی

خداوندہ تو الرحمٰن الرحیم ہے
تو ساری کائنات کا خلاقِ عظیم ہے

تری شان اعلیٰ ہے سب سے نرالا
تو رازق سب کا ہے اور تو حلیم ہے

کوئی شے تجھ سے مخفی بھی نہیں ہے
تو پتھر میں بھی کیڑے پر کریم ہے

تو ظاہر ہے تو باطن ہے اے مالک
تو وحدہ لا شریک اور تو علیم ہے

تو پالنہار ہے ہم سب کا مولا
تو رازق ہے تو مالکِ نعیم ہے

جسے تو چاہے عزت بے تحاشہ
جسے تو چاہے لے لے منتقیم ہے

وہ اللہ کتنا مہربان ہے نبی دیکھ
گناہ گار ہوں مگر وہ کتنا منعیم ہے

وصولیات

وصولیات نمائندوں اور قارئین سے

این وائی ایف پاکستان

نوٹ: نمائندوں اور قارئین سے شمارہ نمبر 129 سے موصول شدہ رقم کی تفصیل درج ذیل ہیں۔

نمبر شمار	علاقہ	تعداد	وصول شدہ رقم	بقایا رقم	نام نمائندہ	کیفیت
1	کراچی	100	2,480/-		بیگو دانیال	
2	شگر	20		400/-	شیر علی	
3	اسلام آباد				زمرد حسین	
4	گلگت	50		2,000/-	شاہنواز قدوم	
5	سکردو	200	6,800/-		شبیر حسین	
6	خپلو	80		3,200/-	غلام نبی	
7	کھرکوہ	20		800/-	اقبال نمبردار	
8	علی پور	25	735/-		مظفر علی اخوند	2 اعزازیہ
9	مشہ بروم	150	6,000/-		ریاض مہدی	2 اعزازیہ
10	پشاور	10		400/-	غلام حیدر	
11	براہ	40		1,600/-	ہدایت براہوی	
12	کورو، غواڑی	40	1,600/-		غلام عباس	1 اعزازیہ
13	چکری روڈ	30	1,200/-		نیاز خپلوی	
14	ڈاغونی	25	1,000/-		عباس عاصی	
15	بلغار	30		1,200/-	سید ریاض	
16	چھوربٹ	60		2,400/-	بوا ہدایت	
17	چنڈی	20	800/-	800/-	بوا عبداللہ	
18	بلتستان پراپرٹی (اشتہار)		8,000/-		عبدالرحیم سکساوی	
19	حبیب اللہ ہریکونی، کویت		5,000/-			
20	سجاد حسین (اشتہار)			6,000/-	سجاد حسین سرموی	
	کل میزان		32,815/-	20,200/-		

نوٹ: تمام نمائندوں سے گزارش ہے کہ نوائے صوفیہ کی بروقت اشاعت کے لیے واجب الادا رقم جلد از جلد ارسال کریں۔ شکریہ!